دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا دینی و علمی ماہنامہ

سرپرست:

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر دارالعلوم ۔۔۔ ۴ | فون نمبر رہائش ۔۔۔ ۲

قرآن وسنّت کی تعلیمات کا علمبردار

جلد : ۶ | شمارہ : ۷

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

صفرالمظفر ۱۳۹۱ھ | اپریل ۱۹۷۱ء

مدیر ۔۔۔ سمیع الحق

اس شمارے میں

بدلِ اشتراک
مغربی اور مشرقی پاکستان سے ۸/- روپے ، فی پرچہ ۷۰ پیسے
غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ ، غیر ممالک ہوائی ڈاک دو پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

پرنٹر حاجی محمد حسین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

وطنِ عزیز مملکتِ اسلامیہ پاکستان آج جن حالات سے دوچار ہے اس کی سنگین تر اکتوں کو سوچتے سوچتے قویٰ ماؤف اور حواس بجا طور پر معطل ہو جاتے ہیں، پاکستان اسلام کے نام پہ تمام مادی، وطنی، علاقائی اور جغرافیائی جذبات اور احساسات کو قربان کرنے کی سب سے بڑی مثال تھی اور گذشتہ کئی صدیوں میں اسلام کے نام پر اس کے نام لیواؤں کی مال جان اور عزت و آبرو کی سب سے بڑی قربانی، ذرا سوچئے تو پچھلے دو سو برس سے ہمارے اسلاف نے غلامی کا جُوا اتار پھینکنے کیلئے کیا کچھ نہیں کیا۔ یہ آزادی اُن لا مثال قربانیوں کا صلہ تھی جس کی صبح کے انتظار میں ان گنت ستاروں کا خون ہو چکا تھا۔ مگر اتنی عظیم نعمت کا ہم نے کیا شکریہ ادا کیا۔؟ ہم نے قدرت کی دی ہوئی اس عظیم الشان نعمت کی ہر طرح اور بڑی بے دردی سے ناقدری کی۔ اخلاق، سیاست، معاشرت، تمدن، معاشیات اور تعلیم و تہذیب وہ کونسا میدان تھا جس پہ ہماری شکر گذاری کی پرچھائیں تک پڑ چکی ہو۔ ہم نے آزاد ہوتے ہی منزلِ مقصود سے منہ پھیر لیا اور نتیجہ میں ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ کے چوراہے تک پہنچ گئے۔ ہم نے غلامی سے نجات پا کر خدائے حی و قیوم کے تبلائے ہوئے راستوں کو چھوڑا اور بنی اسرائیل کیطرح۔ اجعل لنا الٰھاً کما لھم آلھۃ۔ کا نعرہ لگایا اور اپنی آس امریکہ برطانیہ روس و چین سے لگا بیٹھے۔ اسلامی نظریہ چھوڑ کر باقی ہر لحاظ سے جس ملک کا خمیر اور تانا بانا افتراق اور انتشار کی بنیادوں پر اٹھایا گیا تھا، اسے ہم ایمانی رشتوں اور اسلامی بندشوں سے ہی ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا سکتے تھے مگر ہم نے اس ایمانی زنجیر پہ کتنی کاری ضربیں لگائیں اور بالآخر یہ ظلم اور ناقدری فلسفہ عروج و زوال اقوام کے عین مطابق او یلبسکم شیعاً و یذیق بعضکم بأس بعض کی شکل میں سامنے آگئی۔

گندم از گندم بر آید جو ز جو　　از مکافاتِ عمل غافل مشو

شامتِ اعمال ما صورتِ نادر گرفت ـــ ان بطش ربک لشدید۔ خداوند کریم کا اعلان ہے کہ شکر گذاری مزید انعامات کا سبب بنتی ہے۔ لئن شکرتم لازیدنکم ـــ

مگر آہ! حرمان نصیبی کہ جو سرزمینِ اسلام کیلئے ایک تجربہ گاہ ــ معمل ــ اور اقوامِ عالم کے لئے اس مادیت زدہ دور میں ایک مثالی عادلانہ ریاست بن سکتی تھی ـــ وہ ہماری مقصد فراموشیوں کی وجہ سے آج تماشا گاہِ عبرت بن گئی ہے۔ اور ناشکری کا وبال سامنے نظر آنے لگا ہے۔ ولئن

کفرتم ان عذابی لشدید ۔۔۔۔۔ لوگ ان حالات کے اسباب اور محرکات ظواہر میں ڈھونڈھتے ہیں، مگر مسلمان کی نگاہ ظاہر سے زیادہ باطن پر رہنی چاہیئے ۔ مسلمان قوم اگر کھوج لگانا چاہے تو قرآن کریم کا فلسفۂ عروج وزوال ایک کھلی ہوئی اور بولتی ہوئی حقیقت اس کے سامنے رکھ دیتی ہے ۔۔۔۔ آزادی کے بعد کیا فرد اور کیا معاشرہ، کیا رعایا اور کیا حاکم، کیا قوم اور کیا لیڈر، سب کا ضمیر احساس امانت سے عاری ہو گیا اور جس کی زیادہ تر ذمہ داری حکمران طبقے پر رہے گی ۔۔۔ الناس علی دین ملوکھم۔

صحیح قیادت جو کبھی مسلمانوں کو میسّر تھی وہ مفقود ہو گئی اور دیانتدار قیادت کی جگہ جذباتیت اور بددیانتی نے لے لی ۔ پُر فریب نعروں سے اقتدار کی ہوس رکھنے والوں اور عوام کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے والوں نے خالی میدان پر شبخون مار کر اپنی لیڈری کی دکان آراستہ کر لی اور قوم کو اس گھاٹ تک پہنچایا۔ فاوردھم النار وبئس الورد المورود ۔۔۔۔۔ قوم نے انتخابات میں دونوں حصّوں میں جو فیصلہ کیا وہ ایسی قیادت کا ایک ہولناک اور غیر طبعی ردّ عمل تھا۔ ہمارے علمی اخلاقی اور فکری افلاس امانت، دیانت تدبّر، اخلاص اور عمل سے عاری گھناؤنی تصویر کو دیکھ دیکھ کر کچھ اللہ والوں نے ایمانی فراست سے موجودہ نقشہ قائم کرنے کی اگر مخالفت کی تھی تو وہ ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کی ہرگز مخالفت نہ تھی ۔ بلکہ شاید ان کی عقابی نگاہیں ایمان کی روشنی میں ہمارے موجودہ کردار اور اطوار کو بھانپ گئی تھیں۔ پھر اُن کے جو اندیشے اور خدشے تھے کیا ایک ایک کفلق الصبح صادق نہیں ہوئے؟ ۔۔۔۔ آج مقبوضہ کشمیر کے نام نہاد وزیراعظم جی ایم صادق کو یہ کہنے کی جرأت ہو رہی ہے کہ "دو قومی نظریہ ایک فریب تھا" اس نے یہ بھی کہا کہ پاکستان میں اب جو واقعات پیش آ رہے ہیں وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہم نے بھارت سے اپنی قسمت وابستہ کر کے انتہائی صحیح فیصلہ کیا تھا ۔۔۔۔ کاش! ہمارے پاس عمل کی دنیا میں آج ایک ایسی قوت ہوتی کہ اتنا تلخ طمانچہ لگانے پر ہم اس کے ہاتھ کاٹ سکتے۔ ہم اُس کی زبان نوچ کر دنیا کو سمجھاتے کہ دیکھیئے دو قومی نظریہ ایک زندۂ جاوید حقیقت ہے اور اسی حقیقت کو جھٹلانے والے کتنے عیار ہیں۔ مگر آہ! ہم جواب دیں تو کیا۔ اور ان حالات تک پہنچانے میں خراج تحسین پیش کریں تو کس کو ۔۔۔ جی ایم صادق کو یہ جواب تاریخ دے سکے گی کہ دو قومی نظریہ ایک فریب تھا یا حقیقت ۔۔۔۔۔ مگر اب پاکستان جب بن چکا ہے تو ہم اسے ایک زندہ جاوید حقیقت دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے کعبہ وقبلہ کی طرح محترم ہے، ہم اس کی کسی ایک اینٹ کو بھی اپنی جگہ سے الگ نہیں کرنا چاہتے۔ یہ برّصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کی امیدوں کا آخری سہارا ہے۔ مسلمانوں کے

خون اور ہڈیوں سے تعمیر کی گئی یہ مسجد مقدس کب تخریب اور بربادی کی روادار بن سکتی ہے۔ ہم مسلمان ہیں، اور ہم پاکستانی ہیں، جو لوگ اس نعمتِ خداوندی کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں خواہ ان کا تعلق مغرب سے ہو یا مشرق سے وہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کے قاتل بننا چاہتے ہیں۔ ہم پاکستان کے ہیں اور پاکستان ہمارا۔ اسکی حفاظت اور بقاء کیلئے اپنی ہر متاع قربان کرنا ہمارا مذہب اور ہمارا دین ہے۔ اور یہ صرف اور صرف اس لئے کہ یہ کروڑوں مسلمانوں کی پناہ گاہ اور اسلام کی حاکمیت کے نام پر حاصل کی گئی سرزمین ہے۔ اور جب تک یہاں اللہ کی حکمرانی قائم نہیں ہوگی پوری قوم کا اجتماعی ضمیر مردہ رہے گا۔ دنیا کی قومیں ہماری مقصد فراموشی کا مذاق اڑاتی رہیں گی۔ ہم اللہ کے ہاں اپنی مسؤلیت سے عہدہ برآ نہیں ہوں گے۔ ہماری یہ مصیبتیں عافیت اور راحت سے نہیں بدلیں گی۔ اگر ہمیں لوٹنا ہے تنزل سے ترقی اور افتراق سے اتحاد کی طرف تو اللہ کی اسی رسّی کو مضبوطی سے تھام کر ہی اپنی شیرازہ بندی کر سکتے ہیں جسے تھام کر ہم نے پاکستان کو پایا ــــ آج اگر اسے بچانا ہے تو اسی سبق کیطرف لوٹ جاؤ۔ پناہ صرف اللہ کے دامن میں مل سکتی ہے۔ آج ہماری حالت "علی شفا حفرۃ من النار" کی ہے۔ کاش! یہ حالات ہمارے لئے سبق بن سکیں ــــ خاکم بدہن اگر ہم نہ سنبھلے اور ہمارا رہا سہا شیرازہ بکھر گیا تو پاکستان کی تباہی برصغیر کے مسلمانوں کے لئے تاریخ کی سب سے بڑھ کر تباہی ثابت ہوگی۔ خلافتِ عباسیہ کے زوال مسجد اقصیٰ کے سقوط اور فتنۂ تاتار و ہلاکو سے بڑھ کر ــــ المیہ ــــ! اس لئے کہ بظاہر اس کے بعد برصغیر کے تقریباً بیس کروڑ مسلمانوں کو کہیں بھی پناہ گاہ نہ مل سکے گی اور اسلامی دنیا کے نقشہ پر کسی اور اسپین اور روسی ترکستان کے دھندلے اور مٹے ہوئے نقوش ابھر آئیں گے ولا فعلها اللہ کذلک ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم۔ آج پھر قرآن کریم ہم سب کو مشرق اور مغرب کے ہر باشندے کو بانگ دہل کہہ رہا ہے: وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر۔ یہ چند بے ربط اور ناتمام درد انگیز نالے ہیں جو آج کی فرصت میں پیش قارئین کئے گئے ــ

اندکے پیش تو گفتم غم دل و ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ربنا لا تؤاخذنا بما فعل المترفون والسفہاء منا ان ہی الا فتنتک۔ ربنا لا تجعلنا فتنۃً للقوم الظالمین ونجنا برحمتک من ہذا الکرب العظیم۔
واللہ یقول الحق وہو یہدی السبیل۔

سمیع الحق

ضبط و ترتیب : ادارہ الحق

اسلام اور ہجرت کی حقیقت

(خطبۂ جمعۃ المبارک ۱۱ محرم ۱۳۹۱ھ)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ والمہاجر من ھجر مانھی اللہ عنہٗ۔

محترم بزرگو اور بھائیو! مسلمان قوم جس کی تعداد ستر اسی کروڑ ہے اور مختلف ممالک میں موجود ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمان یا مسلم ایک قومی یا نسلی اور وطنی یا جغرافیائی نام ہے۔ جیسے سید یا پٹھان، مہمند، یوسف زئی یا خٹک قبائل کا نام ہے۔ باقی حالت کچھ بھی ہو اگر پٹھان گھرانے میں پیدا ہوا تو پٹھان یا خٹک رہے گا، خواہ اس کے عادات و اطوار کیسے ہی کیوں نہ ہوں ــــ تو جیسا کہ بعض نام خاندانی اور قبائلی لحاظ سے ہوتے ہیں۔ بعض وطنی اور نسبی لحاظ سے اس طرح مسلمان بھی بس ایک نام ہے کہ گھر اور محلہ مسلمانوں کا ہے باپ دادا مسلمان تھے۔ حالانکہ مسلمان ہونا اس چیز کا نام نہیں، نہ یہ خاندانی نام ہے۔ نہ صنعت و حرفت کی بنا پر ہے۔ بلکہ مسلمان وہ ہے جو اپنا سب کچھ اللہ کے سپرد کر دے اور اس کی ہر مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے ہدایات اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اس کی زندگی ہو، وہی مسلمان ہے۔ خواہ اس کا تعلق کسی بھی نسل یا قوم سے ہو۔ ایک حدیث مبارک میں ہے کہ کسی جہاد میں ایک صحابی جن کا نام غالباً کرکرہ رضؓ تھا، اپنے اونٹ سے کجاوہ اتارنا چاہتے تھے یا سامان لاد رہے تھے کہ کافروں کا تیر آکر ان کو لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ صحابہؓ اللہ کی راہ میں شہادت کے بہت متمنی رہتے تھے اور ایک آجکل کے مسلمان ہیں کہ ذراسی قربانی بھی بمشکل دے سکیں۔

حضور اقدسؐ فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ دنیا کی دیگر امتیں تمہارے تقسیم کرنے اور بانٹنے کے لئے ایک دوسرے کو پکارتے ہوں گے۔ امریکہ اپنے دوستوں کو برطانیہ

اور چین، روس اپنے اتحادیوں کو بلا رہا ہے کہ آؤ مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں ان کی حکومتوں کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بدل کر اور انہیں کمزور کر کے اپنے تسلط میں لے لیں ـــ حضورؐ نے اسکی پیشنگوئی فرمائی کہ :

یوشك ان تداعی علیکم الامم کما تداعی الاکلة الی قصعتها۔ وہ وقت آنے والا ہے کہ دیگر اقوام تمہارے اوپر ایک دوسروں کو اسی طرح بلائیں گی جس طرح دستر خوان پر بیٹھ کر کھانے والے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اگر تم بھی شریک ہو جاؤ۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا أمن قلة یومئذ - یارسول اللہ کیا ہم اس دن بہت تھوڑے ہوں گے ـــ؟ ہم تو جب ۳۱۳ افراد تھے اور ابوجہل نے ساری طاقت مقابلے میں پیش کر دی تھی اور خندق کے جہاد میں تقریباً ۳ ہزار تھے اور سارا کفر سمٹ کر مدینہ منورہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ اس وقت یہ ہمیں ٹکڑے ٹکڑے نہ کر سکے۔ تو کیا اس وقت ہماری تعداد ۳۱۳ سے بھی کم ہوگی؟ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں اس وقت تم بہت زیادہ ہو گے ـــ اور دیکھئے آج بھی ہماری مردم شماری سب سے زیادہ ہے۔ مگر بدقسمتی سے ہماری ہر بات یورپ کے ہاتھ میں ہے ہماری مردم شماری بھی یورپ کے اعداد و شمار پر مبنی ہوتی ہے۔ اپنا کوئی انتظام نہیں ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد ساری امتوں سے زیادہ ہے، دوسرے نمبر پر عیسائی ہیں ـــ ـــ تو حضورؐ نے فرمایا کہ تمہاری تعداد اس وقت بہت زیادہ ہوگی۔ مگر جیسے خس و خاشاک ہوتا ہے۔ بظاہر بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے مگر معمولی سیلاب کے آگے بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ کوڑے کرکٹ کی طرح پانی اسے بہائے جاتا ہے۔ ولکنکم غثاء کغثاء السیل۔ سیلاب گھاس پھونس سب کو بھگائے جاتا ہے۔ تو تمہاری حالت تعداد کے زیادہ ہونے کے باوجود ایسی ہی ہوگی۔

صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کی وجہ کیا ہوگی ـــ؟ فرمایا : حب الدنیا وکراهیة الموت۔ دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔ ـــ تمہارے دلوں میں دنیا کی محبت بس جائے گی۔

اس وقت مشرقی و مغربی پاکستان کے جھگڑے کا جو بحران ہے اور سارے عالم اسلام کی یہی حالت ہے اس کی وجہ یہی حب دنیا ہے کہ حب جاہ اور حب مال کی وجہ سے اور اقتدار اور دولت کی ہوس میں ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ ہر شخص انفرادی اور اجتماعی طور پر سب کچھ غصب کرنا چاہتا ہے اور حب دنیا میں سب کے حقوق پامال کر رہا ہے ـــ دعا فرمائیے کہ

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچائے۔

حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں اتنا خطرہ نہ تھا بلکہ ایک آس لگی ہوئی تھی کہ ایک اسلامی ملک ہاتھ میں آجائے گا۔ ہم نے یہ پاکستان اس لئے حاصل کیا تھا کہ اس میں لاالٰہ الا اللہ ۔ کی عملی تعبیر ہوگی خدا کی حکومت کا عملی نمونہ پیش ہوگا۔ یہ ایک ایسی اسلامی ریاست ہوگی جو سارے عالم اسلام کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ ہوگی۔ اور ہم انشاء اللہ پاکستان سے ساری دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلائیں گے۔ پاکستان کی آبادی تھوڑی آبادی نہیں۔ ۱۱ کروڑ کی تعداد بہت بڑی تعداد ہے۔ مگر بدقسمتی سے اسلام کو ایک نعرہ بنایا گیا اور اصل اسلام کو طاق میں رکھ دیا گیا۔۔۔ افسوس! کہ اس عرصہ میں ہم نے اسلام کا کردار دکھایا، نہ اخلاق وعادات اور خو بو پیدا کی۔

اسلام یہ تو نہیں کرتا کہ ہم اسے چاہیں یا نہ چاہیں یہ از خود ہم پر مسلط اور چپکا رہے گا۔ اگر کوئی قوم اسلام چاہتی ہے تو اس کے لئے اپنے اخلاق و اعمال اور عادات وکردار کو بھی درست کرے گی۔

انگریز نے فرنگیوں کے دور میں اگر ہمیں اسلام سے روکا تھا تو اس ۲۳ سال کے عرصہ میں کس نے منع کیا۔ اس فکری غلامی میں ہم کیوں اب تک مبتلا ہیں۔۔۔ الحمد للہ کہ بظاہر ہم آزاد ہیں، جسم آزاد ہیں مگر ذہن وہی ہے کہ جو مغرب چاہے ہم اسکی تقلید کریں، وہ جو کچھ کہے یا کرے ہم کہیں بس یہی صحیح ہے وہ اپنی زندگی کا سبق عیش وعشرت، مادہ پرستی، فحاشی اور بے حیائی بنا چکے ہیں اور یہ کہ اپنی برتری اور دوسروں کی کمتری ثابت کی جائے، اپنے کو زور آور اور دوسرے کو زیر قدم دکھایا جائے ہم نے بھی یورپ کی انہی باتوں کو اپنا شیوہ بنالیا اور انہی نعروں کو اپنا لیا۔ اور ایک بڑی بدقسمتی یہ ہوگئی کہ صوبہ سرحد تو الحمد للہ ایک حد تک محفوظ رہا، مگر باقی خطوں نے مادیت، قومیت، عصبیت اور صوبائیت کے نام پر ووٹ حاصل کیا، اور نتیجۃً آج ہم اس مقام تک پہنچ گئے کہ اسلامی آئین تو ایک طرف رہا جو محض اللہ کے فضل وکرم ہی سے ہو سکے گا۔ اور اللہ اسے رائج کر دے انفس آئین بھی بننا مشکل ہوگیا اور ملک کی سالمیت بھی پس پشت ڈالدی گئی۔ ۲۳ سال میں ہم نے یہ کچھ ترقی کی۔ ۱۹۴۷ء میں نعرہ لگایا کہ ہمارا نظام اسلامی ہوگا ہم ہندو عیسائی اور یہودیوں کا تمدن نہیں چاہتے۔ نہ ان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ وہ سب کچھ اپنی جگہ رہ گیا۔

اب پاکستان بھی سالم رہتا ہے یا نہیں یہ بھی ایک مسئلہ بنا ہوا ہے ہر خطہ علیحدگی چاہتا ہے مگر یہ ملک کس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ اس کا نام بھی نہیں لیا جاتا۔ دشمن کے گھر میں خوشیاں ہو رہی ہیں۔ آج ہمارے حالات کو دیکھ کر ہندو کی خوشی کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔ امریکہ اور برطانیہ میں کتنی خوشی منائی جائے

گی۔ ہم سب ایک دوسرے سے روٹھے ہوئے ہیں، اسلام کو دلوں میں جگہ نہ دی تو اللہ نے دلوں میں نفرت کا بیج ڈالدیا ـــ گویا اسی بات کا ظہور ہو رہا ہے۔ جیسے حضورؐ نے فرمایا کہ دیگر اقوام ہمیں آپس میں بانٹنے کے منصوبے بنا رہے ہیں ـــ اللہ تعالیٰ نے نعمتوں کا ایک سجا سجایا دستر خوان آزادی کی شکل میں دیا اور ہم نے اس کی ناشکری کی ـــ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لئن شکرتم لازیدنکم۔ اگر میری نعمتوں کی قدردانی کی تو ضرور اس میں ترقی دوں گا۔ اگر ۲۳ سال میں ہم نے اللہ کے دین کو تھام لیا ہوتا تو آج اسلام کا جھنڈا ہر جگہ مضبوطی سے لگا ہوتا۔ مگر ہم نے ناشکری کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کا وبال ہم پر مسلط کر دیا۔ ولئن کفرتم فانّ عذابی لشدید۔ اگر تم نے کفرانِ نعمت کیا تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

آج مسلمان مسلمان کو کاٹ رہا ہے۔ نہ ہندو سے لڑائی ہے، نہ انگریز سے، نہ امریکہ سے، بلکہ مسلمان مسلمان کے ہاتھوں لٹ رہا ہے۔ ایسی قوم کیسے ترقی کرے گی؟ یہ ہے حبّ الدنیا کا کرشمہ اور دوسری بات حضورؐ نے یہ فرمائی کہ اللہ کی راہ میں موت سے ڈریں گے۔ ویسے تو ہم ہر آواز پر مرنے مارنے کیلئے تیار ہیں، لیکن اگر آواز یہ جائے کہ اسلام کی بلندی کے لئے نکلو تو دیکھئے کہ کتنے تیار ہوتے ہیں ـــ ایک بھی نہ نکلے گا ـــ بلکہ سوچے گا کہ اس کام میں کتنی تنخواہ ملے گی۔ کتنی غنیمت حاصل ہو گی۔ صحابہ کرامؓ کو اللہ کی راہ کی موت کافروں کے شراب کے پیالہ سے زیادہ محبوب تھی اور مرتے وقت کہتے فزت ورب الکعبہ۔ اللہ کی قسم اب کامیاب ہو گیا۔

ـــ تو اگر ہم صرف نام کے مسلمان نہیں بلکہ سیرت وکردار، شکل وصورت اخلاق ومعاشرت ہر طریقے سے مسلمان ہوتے، ہماری عبادت مسلمانوں جیسی ہوتی تو آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔ اللہ کی رحمت سے اب بھی کوئی بعید نہیں اگر ہم سنبھل جائیں تو رحمت کا دروازہ بند نہیں، اور یہ موجودہ حالت ایسی ہے جیسے شاگرد کچھ نہ پڑھے تو استاد امتحان سے چند دن قبل اسے مارتا پیٹتا ہے کہ ان چند دنوں میں تیاری کر لو تب بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔ تو جب تک پورا عذاب ہم پر مسلط نہیں ہوتا ـــ اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے ـــ اسی طرح تنبیہات ہوتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذرا بھی سنبھل جاؤ تو میں تمہیں اپنی رحمت میں لے لوں گا۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہم اسلام کو صرف ایک نام سمجھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ صرف ایک نام نہیں بلکہ اعتقادات ہیں۔ اخلاق و اعمال اور عبادات ہیں۔ میں نے صحابی کا واقعہ عرض کیا کہ جب وہ کفار کے ہاتھوں شہید ہوا۔ تو صحابہؓ خوشی سے حضورؐ کو بشارت دینے گئے کہ الحمد للہ کہ ایک

ساتھی تو شہید ہو کر جنت پہنچ گیا حضورؐ نے فرمایا : ایسا نہیں بلکہ میں اُسے دیکھ رہا ہوں کہ ایک چادر میں لپٹے ہوئے آگ میں جل رہا ہے ــــ اللّٰہُ ربّی ــــ فرمایا اس کے سامان کی تلاشی لی جائے ۔ سامان بیچارے کا کیا ہوگا ، ایک چھوٹی سی گٹھڑی ہوگی ۔ اُسے ٹٹولا تو دیکھا کہ مالِ غنیمت کی تقسیم سے قبل ایک چھوٹی سی چادر لئے ہوئے تھا ۔ یعنی اس نے تقسیم سے قبل اسے اٹھا لیا تھا ۔ پھر حضورؐ نے فرمایا : لایدخل الجنۃ الا المسلمون ۔ دخولِ اوّل جنّت کو اُس شخص کی ہوگی جو مسلم کامل ہوگا ۔

ــــ تو ہمیں نہ عبادات کا علم ہے نہ معاملات کا ۔ عبادات میں ہماری جو حالت ہے وہ سب کے سامنے ہے ۔ نماز جو بنیادی عبادت ہے اسے پسِ پشت ڈال دیا ــــ الصلوٰۃ عماد الدین نماز دین کا ستون ہے ۔ نماز پہلا فریضہ ہے قیامت کے دن پہلا سوال اسی کا ہوگا ۔ تو جب نماز سے یہ سلوک ہے تو باقی عبادات کا کیا حال ہوگا ۔ کامل ناشکری کا مظاہرہ ہو رہا ہے ۔ شیطان کو اللہ نے جس وقت مردود بنا کر اپنے دربار سے نکالا تو اُس نے کہا :

لآتینّھم من بین ایدیھم ومن خلفھم ومن ایمانھم وعن شمائلھم ولا تجد اکثرھم شاکرین ۔

اے پروردگار اس حضرت آدم کی وجہ سے تو نے مجھے نکال دیا تو میں سیدھی راہ بیٹھ کر چاروں طرف سے انسان پر حملہ کروں گا نیکیوں سے روکوں گا اور سوار و پیادہ فوجوں کو ان پر دوڑوں گا ۔ اور اے اللہ آپ انہیں سے اکثر کو شکر گذار نہ پائیں گے ۔

الغرض رسول اللہ فرماتے ہیں : المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ ۔ پہچانتے ہو مسلمان کون ہے ــــ ؟ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھوں کے ضرر سے اور مسلمان محفوظ رہیں ۔ اسلام اور مُسلم ۔ سِلم سے ماخوذ ہے ۔ سلم سلامتی ، سلامت روی اور صلح و آشتی کو کہتے ہیں ۔

ــــ کم از کم اس نام کی تو کچھ لاج رکھنا ہوگی ــــ ایک شخص مولوی کہلاتا ہے تو بہت سے کام کرنے کو اس کا جی اگر چاہے بھی تو مولویت کا نام اُسے برائیوں سے روکتا ہے ــــ تو یہ اسلام اور مسلم کا نام جو حضرت ابراہیمؑ نے تجویز کیا ، اس کی لاج ہمیں رکھنی چاہئے ۔ اور مسلم کا لفظ تب صادق ہوگا کہ ہم اسلام کے اصولوں کی روشنی میں اپنی عادات و اطوار اور اخلاق کو سنوار لیں ــــ اگر آپ اپنی پریشانیاں دور کر کے اپنی زندگی میں حقیقی خوشیاں پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنے پیارے مذہب اسلام کے اصولوں کو اپنا لیں ــــ لا یسخر قوم من قوم عسیٰ

ان یکونو خیراً منهم - کسی سے ناجائز ہنسی مذاق نہ کریں۔ کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں، کسی کی غیبت نہ کریں، کسی کی تحقیر نہ کریں، کسی کا مال نہ چھینیں، کسی کا خون نہ بہائیں، کسی کی آبرو ریزی نہ کریں، کسی کے حقوق غصب نہ کریں۔ آپ کے ہاتھوں سے سب مسلمان محفوظ ہوں تب آپ مسلمان ہیں ۔۔۔ آج معاشرتی امور میں دیکھئے کہ کتنے لوگ اس حدیث پر پورے اترتے ہیں۔ اوروں کے ساتھ قول و فعل میں ہمارا کیا سلوک ہے۔ آیا ہمارے ضرر سے اور مسلمان محفوظ ہیں۔ ہمارے ہاتھوں اوروں کو تکلیف تو نہیں پہنچتی۔؟ ۔۔۔ تو جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مسلم کامل کا خطاب تب صادق ہوگا کہ اسکی زبان اور ہاتھ پاؤں سے ساری مخلوق اور خاص طور پر مسلم قوم محفوظ رہے۔

آگے فرمایا: والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه ۔۔۔ مہاجر کون ہے؟ وہ جو اپنے گھر بار وطن اور دار کفر کو چھوڑ کر دار الاسلام چلا جائے۔ وہاں کفار کا تسلط تھا، وہ عبادات میں رکاوٹ ڈالتے تھے اس لئے اسے چھوڑ دیا، اس کو مہاجر کہتے ہیں۔ ظاہری ہجرت تو یہی ہے ۔۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ حقیقی مہاجر وہ ہے من هجر ما نهى الله عنه۔ جن چیزوں سے اللہ نے منع فرمایا ہے انہیں چھوڑ دے، منہیات ترک کردے، زنا، چوری، جوا ترک کردے، بے نمازی نہ ہو وہ شخص مہاجر ہے اور جس نے گھر بار سب کچھ چھوڑ دیا اور دار الاسلام میں آکر بھی عبادات کی پیروی نہیں کرتا اور نہ اللہ کے دین کو اپناتا ہے، منہیات میں لگا ہوا ہے تو وہ یہ توقع نہ رکھے کہ میں مہاجر کے مقام پر فائز ہو سکوں گا، اور اللہ کے ہاں مجھے ہجرت نصیب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سارے ملک کے تمام قائدین اور عوام کو متفق فرمادے، یہ ملک شر و فساد سے محفوظ رہے اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور اللہ تعالیٰ ہماری آئندہ زندگی اسلامی آئین اور دستور کے مطابق بنادے۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

ہفتہ ۲۹ محرم کی شب کو علاقہ چارسدہ کی ایک بزرگ شخصیت مولانا الحاج حکیم نور الحق صاحب سکنہ تنگی نصرت زئی (چارسدہ) تقریباً ستر برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ مرحوم حسن اخلاق، تواضع، تقویٰ، للہیت اور جذبۂ خدمت خلق، علمی وطبی مہارت، حرمین الشریفین سے والہانہ عشق اور بہت سی دیگر اعلیٰ صفات کے حامل تھے۔ دار العلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ مرحوم کی نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے پڑھائی۔ اور جنازہ میں علاقہ بھر کے ہزاروں افراد علماء و صلحاء اور مسلمانوں نے شرکت کی۔ ادارہ الحق اور دار العلوم حقانیہ اس صدمہ میں مرحوم کے خاندان و لواحقین بالخصوص ان کے قابل فاضل صاحبزادہ مولانا حکیم حبیب اللہ جان فاضل حقانیہ کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔ قارئین سے حضرۃ مرحوم کے رفع درجات کیلئے دعا کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

قسط ۲

مسئلہ ختمِ نبوت پر ایک محققانہ نظر

عمومی انداز میں یہ مسئلہ کہ حضور علیہ السلام کے بعد نبوت کسی کو نہیں دی جا سکتی۔ ایک سو سے زائد آیات قرآن میں ثابت ہے، جن کو ہم آئندہ چند عنوانات کے تحت لائیں گے، یہاں قادیانیوں کی چند تحریفات اور شیطانی وساوس کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں، جو آیت خاتم النبیین سے متعلق ہیں۔

پہلی تحریف | اگر آیت ختم النبیین کا معنی آخری نبی ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اس کے خلاف ہے، اس کا جواب گذر گیا کہ ختمِ نبوت کا معنی عطاء نبوت کی بندش ہے جس پر مہر لگ گئی ہے لیکن پرانے نبی سے زوالِ نبوت مراد نہیں لہذا دورِ محمدی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ایسی ہے جیسے ایک گورنر کے صوبہ میں دوسرا گورنر آجائے جو اس گورنر کے احکام کا تابع ہو کر آئیگا بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو نزولِ عیسیٰ علیہ السلام دلیل ختم نبوت ہے۔ اگر آئندہ نبوت کا سلسلہ جاری ہوتا تو سابق انبیاء میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لائے جانے کی ضرورت نہ تھی۔ انبیاء علیہم السلام کے سابق تعداد میں سے ایک نبی کو واپس لانا اس امر کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد حضور علیہ السلام کی بعثت پر پوری ہو گئی۔ اس لئے دوبارہ لانے کے لئے سابق انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب کیا گیا۔

تحریف دوم | خاتم النبیین کے معنی مہر کے ہیں۔ یعنی آپ کے بعد آپ کی مہر و تصدیق سے انبیاء بنیں گے۔ اس کے لئے اولاً ہم یہ پوچھتے ہیں کہ یہ معنی لغت عربی کی کس کتاب میں لکھا ہے یا کس حدیث میں بیان ہوا ہے یا کونسی تفسیر میں لکھا ہے جب کہ خود قرآن مثلاً خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ۔ اور احادیث متواترہ اور اجماع امت میں مُہر کے معنی بندشِ نبوت کے ہیں تو مہر کے معنی اس کے خلاف نبوت جاری کرنے کے کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ خود مرزا صاحب نے بندش کے معنی کئے ہیں۔ اور اگر مراد جاری کرنا ہوتا تو اس میں حضورؐ کی خصوصیت

کیا رہی جبکہ اور پیغمبروں کے بعد بھی نبوت جاری رہی اور آپ کے بعد بھی بلکہ اگر اس سے مراد اجرائے نبوت ہوتی تو کم از کم اس تیرہ سو سال میں کئی سو نبی آجانے چاہئیے تھے کہ آپ کا یہ کمال خوب ظاہر ہو جائے اور اگر نبوت آپ کی اتباع سے ملتی تو نبوت دہبی نہ رہی، کسبی ہو گئی۔ اس کے علاوہ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ تیرہ سو سال میں پیغمبر اسلام کا کوئی متبع کامل پیدا نہ ہوا کہ اس کو اتباع کے ثمرہ میں نبی بنایا جاتا۔ تیرہ سو سال کے بعد صرف آریہ ورت میں انگریز کی عنایت سے صرف ایک ہی پیدا ہوا اور اس کو بھی آخر تک اپنی نبوت میں شک رہا۔ کبھی اقرار کبھی انکار۔ یہاں تک کہ اس کے ماننے والے دو جماعتوں میں تقسیم ہوئے۔

تحریف سوم | آیت خاتم النبیین میں النبیین میں الف لام عہد خارجی یا ذہنی ہے جس سے مراد صرف تشریعی انبیاء ہیں گویا آپ تشریعی انبیاء کے خاتم ہیں عہد خارجی کے لئے سابق کلام میں خاص تشریعی انبیاء علیہم السلام کا ذکر ضروری ہے جو یہاں نہیں، اور عہد ذہنی اس وقت لیا جاتا ہے جب استغراق ممکن نہ ہو جیسے: اَكَلَهُ الذِّئْبُ اور اِشْتَرِ اللَّحْمَ عِنْدَ عَامَّةِ اَهْلِ الْاُصُوْلِ وَالْعَرَبِيَّةِ لَامُ التَّعْرِيْفِ سَوَاءٌ دَخَلَتْ عَلَى الْمُفْرَدِ اَوِ الْجَمْعِ تُفِيْدُهُ الْاِسْتِغْرَاقَ اِلَّا اِذَا كَانَ مَعْهُوْدًا۔ (کلیات ابی البقاء ص ۵۶۳) وفی الکشف ج ۱ ص ۲۲۰ وان دخلت علی الجمع فلا ان کان داٰلا وفی الرضی ج ۲ ص ۱۰۳ فَاِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْبَعْضِيَّةِ لِعَدَمِ دَلِيْلِهَا يوجب كونها للاستغراق۔

تحریف چہارم | خاتم النبیین میں الف لام استغراق حقیقی کے لئے نہیں بلکہ عرفی کے لئے ہے، یعنی انبیاء تشریعی مراد ہیں نہ مطلق انبیاء جیسے وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّيْنَ۔ میں صرف بعض وہ انبیاء مراد ہیں جو بنی اسرائیل کے زمانے میں تھے۔ جواب یہ ہے کہ استغراق عرفی وہاں لیا جاتا ہے جہاں استغراق حقیقی ممکن نہ ہو جیسے: جمع الامیر الصاغة۔ کیونکہ تمام دنیا کے سناروں کا جمع کرنا ممکن نہیں بلحاظ عرف وعادت کے لیکن خاتم النبیین بلا تکلف استغراق درست ہے، بخلاف یقتلون النبیین جہاں استغراق ممکن نہیں، ہم پوچھتے ہیں کہ آیت ولکن البر من امن باللّٰہ والیوم الاخر والکتاب والنبیین۔ اسی طرح ووضع الکتاب وجیئ بالنبیین واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین۔ کیا استغراق حقیقی مراد ہے یا عرفی۔

تحریف پنجم | خاتم کے معنی نگینہ انگشتری لے کر زینت مراد ہے۔ یعنی آپ انبیاء کی زینت ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حقیقی معنی لینا جب تک محال نہ ہو مجازی معنی مراد لینا درست نہیں اور یہاں حقیقی معنی درست ہے اور لغت احادیث اجماع نے اس کو متعین کیا ہے، لہذا مجاز لینا غلط ہے۔

ورنہ قرآن کے کسی لفظ سے معنی کا تعین نہ ہو سکے گا۔ اور ہر لفظ مجازات اور تاویلات کا اکھاڑہ بن کر اپنی حقیقت کھو دے گا، اور صوم و صلوٰۃ زکوٰۃ سب کے معنی بدل جائیں گے۔

آیت خاتم النبیین کے بعد اب ہم قرآن حکیم کی چند دیگر آیات کو پیش کرتے ہیں۔

دلیل کمالی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (المائدہ آیۃ) اس آیت میں کمال دین کا اعلان ہوا۔ وہ دن حدیث بخاری کے بموجب عرفہ کا دن تھا۔ مظہری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد صرف اکیاسی دن زندہ رہے۔ ابن کثیر اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ آیت امت پر سب سے بڑی نعمت ہے۔ حَيْثُ اَكْمَلَ لَهُمْ دِيْنَهُمْ فَلَا يَحْتَاجُوْنَ اِلٰى دِيْنٍ غَيْرِهٖ وَلَا اِلٰى نَبِيٍّ غَيْرِ نَبِيِّهِمْ وَلِهٰذَا جَعَلَهٗ خَاتَمَ الْاَنْبِيَاءِ وَبَعَثَهٗ اِلَى الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اِنَّ الدِّيْنَ مَا كَانَ نَاقِصًا اَلْبَتَّةَ بَلْ كَانَ اَبَدًا كَامِلًا كَانَتِ الشَّرَائِعُ النَّازِلَةُ كَافِيَةً فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتِ اِلَّا اَنَّهٗ تَعَالٰى كَانَ عَالِمًا فِيْ اَوَّلِ وَقْتِ الْبَعْثَةِ بِاَنَّ مَا هُوَ كَامِلٌ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ لَيْسَ بِكَامِلٍ فِي الْغَدِ وَلَا يُصَالِحُ فِيْهِ لَاجَرَمَ كَانَ يَنْسَخُ بَعْدَ الثُّبُوْتِ وَكَانَ يُزِيْلُ بَعْدَ التَّحَكُّمِ وَاَمَّا فِيْ اٰخِرِ زَمَانِ الْبَعْثَةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ شَرِيْعَةً كَامِلَةً وَّحَكَمَ بِبَقَائِهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَالشَّرْعُ اَبَدًا كَانَ كَامِلًا اِلَّا اَنَّ الْاَوَّلَ كَمَالٌ اِلٰى يَوْمٍ مَّخْصُوْصٍ وَالثَّانِيْ كَمَالٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلِاَجْلِ هٰذَا الْمَعْنٰى قَالَ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ یہ آیت ختم نبوت پہ دال ہے بوجوہات ذیل۔

۱۔ ایک خود کمال دین اس امر کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سب سے اخیر میں ہوئی کہ فہرست نبوت میں کوئی نبی باقی نہ رہا۔

۲۔ نبی کی آمد دین میں نقص کو دور کرنے کے لئے ہو، یا موقت احکام میں تنسیخ کے لئے یا محرف کی تحریف کو دور کرنے کے لئے، لیکن قرآن اور دین اسلام کامل ہے اس میں ترمیم و تنسیخ ہو نہیں سکتی اور اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ میں قرآن کے الفاظ اور معانی بلکہ تلفظ تک کی حفاظت کا اعلان ہے۔ لہذا ازالۂ تحریف کی بھی ضرورت نہیں۔ باقی رہی تجدید و تبلیغ دین، اس کے لئے نبی کی ضرورت نہیں بلکہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ یہ ساری امت کا اجتماعی وظیفہ اور فریضہ ہے۔

۳۔ اگر نبوت جاری ہو تو دینِ اسلام ناقص رہے گا اور اسلام کے تمام احکام فضول قرار پائیں گے۔ کیونکہ جب تک اس نئے نبی پر مسلمان ایمان نہیں لائیں گے تو قرآن اور حدیث اور پوری اسلامی شریعت پر اوّل سے آخر تک عمل کرنے کے باوجود وہ کافر اور ابدی جہنمی ہوں گے تو کمال دین اس نبی پر ایمان لانے میں منحصر ہُوا اور اس پر ایمان لائے بغیر پورا دین نامکمل بلکہ کالعدم رہا۔

دلیل میثاقی | آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط۔ جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب وحکمت دوں اور اس کے پیچھے ایسا رسول آئے جو تمہاری آسمانی کتابوں کی تصدیق کرے تو تم اس پر ایمان لاؤ اور اسکی مدد کرو۔ یہ تمام انبیاء علیہم السلام سے عالمِ ارواح میں عہد لیا گیا۔ اس میں ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ جس سے حضرت نبی کریم علیہ السلام مراد ہے ان کا سب انبیاء کے بعد تشریف لانا ثابت ہوتا ہے جو دلیل ہے کہ مشیّتِ الٰہی میں جس قدر انبیاء مقدر تھے ان سب کو اللہ نے آپ سے پہلے مبعوث فرمایا اور آپ کو سب سے اخیر میں بھیجا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہُوا، کہ آپ کی بعثت باعثِ بندش نہیں ہوئی بلکہ مقدر آپ ہی کو سب سے آخر میں بھیجنا تھا۔

دلیل بعثتِ عمومی | قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج (الاعراف آیۃ ۱۵۸) تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ (الفرقان آیۃ ۱) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (الانبیاء آیۃ ۱۰۷)

یہ آیات دال ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت تمام اقوام اور ازمان کو شامل ہے، تو قیامت تک کے انسان آپ کی امت ہیں اور آپ اُن سب کی طرف مبعوث ہیں جو دلیل ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا آپ کی موجودگی میں جو اکمل الانبیاء ہیں کسی نبی کی ضرورت نہیں ۔ جیسے سورج کے بعد کسی چراغ اور دریا کے بعد شبنم کی حاجت نہیں اور آیت وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ میں پہلے حضورؐ سے نسبی ابوت کی نفی کی گئی اور وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ میں روحانی اور دینی ابوت ثابت کی گئی جس سے معلوم ہوا کہ جیسے ابوت نسبیہ میں تشارک نہیں تو ابوت دینیہ میں بھی تشارک نہیں۔ اگر ایک آدمی کے دو باپ نہیں ہو سکتے تو اسی طرح امت کے دو رُوحانی باپ نہیں ہو سکتے۔

دلیل وحی قبلی | ۱۔ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ (البقرہ آیۃ ۴)

۲۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ (الانبیاء آیۃ ۲۵)

۳- وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ۔ (الزمر ۶۵)

۴- وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ۔ (الفرقان آیۃ ۲۰)

۵- وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ۔ (الانعام آیۃ: ۴۲)

۶- قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ۔ (آل عمران: آیۃ ۱۸۳)

۷- وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (فاطر آیۃ ۳۱)

ان آیات اور اسی قسم کی دوسری آیات میں وحی الٰہی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور ان سب آیات میں قید قبلیت کے ساتھ مقید کیا گیا۔ حالانکہ اگر مابعد میں بھی کوئی وحی یا نبوت ہوتی تو یہ قید سبب اضلال ہو سکتی ہے بلکہ وحی ماقبل کی طرح وحی مابعد کا بھی ذکر کرنا ضروری تھا۔ اور مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ کے ساتھ مِنْ خَلْفِهٖ کا ذکر بھی ضروری تھا اور کم ازکم وحی کو مطلق چھوڑ دیا جاتا تاکہ وحی مابعد کی گنجائش بھی باقی رہتی۔

دلیل وھدی | فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (الاعراف آیۃ ۱۵۷) ایسی تمام آیات جن میں صرف اللہ اور رسول کی اطاعت پر جنت اور فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے۔ انقطاع نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اور نبی کا آنا اگر ہوتا خواہ بروزی یا ظلی تو جنت اور فلاح اس کے ماننے پر موقوف ہوتی تو اس قسم کی تمام آیات کا مضمون کیونکر درست ہو سکتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی اور نبوت بند ہے۔

حدیث اور ختم نبوۃ | عَنْ اَبُوْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا اَنَّ مَثَلِيْ وَمَثَلَ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِيْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِّنْ زَاوِيَتِهٖ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَيَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَيَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ۔

ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو آراستہ کیا مگر ایک اینٹ کی جگہ کونے میں چھوڑ دی لوگ اس کے پاس گذرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی، فرمایا وہ آخری اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

۲- اِنَّ لِيْ اَسْمَاءَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا

میں محمد ہوں، احمد ہوں، عاقب ہوں، عاقب

أَحْمَدُ ... وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ ۔ (بخاری ومسلم)

سے مراد یہ ہے کہ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا (مشکوۃ باب ۱)

۳۔ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ ۔

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ (مشکوۃ مناقب عمر۔ ازالہ اوہام ص ۲۳۶-۹۰)

۴۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

(بخاری مسلم مشکوۃ باب مناقب علی)

حضورؐ نے حضرت علی کو فرمایا کہ تم میرے لئے بمنزلہ ہارون ہو مگر میرے بعد نبی نہیں۔

...

۵۔ کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ وَاِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَیَکْثُرُوْنَ۔

(بخاری ج ۱ ص ۴۹۱ ومسلم کتاب الایمان)

بنی اسرائیل کی عنان سیاست انبیاء کے ہاتھوں میں رہی جب ایک نبی فوت ہوتا تو اس کا جانشین نبی ہوتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ عنقریب خلفاء کا سلسلہ شروع ہوگا، پس بکثرت ہوں گے۔

مرزا لکھتے ہیں: وحی و رسالت ختم ہوگی مگر ولایت و امامت و خلافت کبھی ختم نہ ہوگی —— (مکتوب مرزا تشحیذ الاذہان ج ۱ ص ۱)

۶۔ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ۔ (ترمذی ومسلم)

رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی پس نہ آپ کے بعد رسول ہے نہ نبی۔

...

تحفہ بغداد مرزا ص ۔ مرزا ازالہ اوہام ص ۶۱۴ میں لکھتے ہیں۔ اب وحی و رسالت تا بقیامت منقطع ہے۔ آئینہ کمالات ص ۳۷۷ پر لکھتے ہیں: ہرگز نہ ہوگا کہ اللہ ہمارے نبی کے بعد کسی کو نبی کر کے بھیجے اور یہ نہ ہوگا کہ سلسلہ نبوت کو اس کے منقطع ہو جانے کے بعد جاری کر دے۔ حمامۃ البشری ص ۳۴ پر لکھتے ہیں: آپ کی وفات کے بعد وحی منقطع ہو گئی۔ اور اللہ نے آپ پر نبیوں کا خاتمہ کر دیا۔ حقیقۃ ص ۶۴ ضمیمہ عربی میں لکھتے ہیں: اِنَّ رَسُوْلَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَعَلَیْہِ انْقَطَعَتْ سِلْسِلَۃُ الْمُرْسَلِیْنَ۔

۷۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی مَرْفُوْعًا اَنَا مُحَمَّدٌ وَّ اَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمُقَفّٰی (رواہ مسلم ج ۲ ص ۲۶۱) قَالَ

النَّووِیُّ الْمُقَفِّیْ الْعَاقِبُ - یعنی میں آخر الانبیاء ہوں۔

۸- اَبُوْنُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَۃِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ مَرْفُوْعًا یَا اَبَاذَرٍّ اَوَّلُ الْاَنْبِیَاءِ اٰدَمُ وَاٰخِرُھُمْ مُحَمَّدٌ - پہلا نبی آدم اور آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم - ابن حجر نے فتح الباری میں اس کو صحیح کہا۔ مرزا نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۱ پر لکھا۔ اور سب سے آخر محمد مصطفیٰ کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور ختم الرسل ہیں۔

۹- عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ مَرْفُوْعًا اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ - میں آخر الانبیاء اور تم آخر الامم ہو۔ (ابن ماجہ)

۱۰- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ مَرْفُوْعًا لَیْسَ یَبْقٰی بَعْدِیْ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ۔ (نسائی وابوداؤد) میرے بعد سوائے رویا صالحہ کے کوئی جز باقی نہیں رہا۔ اسی طرح اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَمَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ۔ (مسلم ج ۱ صفحہ ۴۴۶) وفی البزاد - وَمَسْجِدِیْ اٰخِرُ مَسَاجِدِ الْاَنْبِیَاءِ - میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد مساجد انبیاء کی خاتم ہے۔

اسی طرح دو سو سے زائد احادیث ختم نبوت کے متعلق موجود ہیں اور اسی پر عقیدہ قائم ہوا ہے قرآن کی کسی آیت اور احادیث میں سے کسی حدیث میں سلسلۂ نبوت کے جاری کرنے کی خبر نہیں دی گئی اور نہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین اور نہ مابعد زمانہ میں مرزا کے علاوہ کسی کا یہ عقیدہ رہا ہے ایسی صورت میں محض قیاس آرائی اور نوتراشیدہ تاویلات سے اجراء نبوت کا عقیدہ پیدا کرنا کسی قدر عقل اور دین سے محرومی کی دلیل ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ھٰذِہِ الشَّقَاوَۃِ۔ (باقی آئندہ)

بقیہ: خطوط و فرامین | اس کے معاملہ میں بڑی سخت جرح ہوگی، ہاں اگر اللہ تعالیٰ معاف فرما دے اور نظر انداز فرما دے، اور رحم فرمائے تو الگ بات ہے ——— میں نے تم کو حکومت کا جو کام سپرد کیا ہے، اور جو اختیارات تفویض کئے ہیں، ان میں سے تم کو احتیاط اور خدا کے خوف کی ہدایت کرتا ہوں، ذمہ داریوں کی ادائیگی، اللہ تعالیٰ کے اوامر کے اتباع اور اس کے نواہی سے اجتناب کی تاکید کرتا ہوں، جو باتیں اس کے خلاف ہوں اس کی طرف بالکل توجہ کی ضرورت نہیں، تمہاری نظر اپنے اوپر اور اپنے عمل پر رہے، اور ان چیزوں کی طرف ہو جو تمہارے رب تک پہنچائیں اور جو تم اپنے اور اپنی رعیت کے درمیان کرتے ہو، وہ تمہارے پیش نظر ہے اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ حفظ و نجات اسی میں منحصر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں منزل مقصود پر پہنچ جاؤ، اس یوم موعود کے لئے وہی چیز تیار رکھو جو خدا کے ہاں کام آنے والی ہو، اپنے اور دوسروں کے واقعات میں تم نے ایسی عبرتیں دیکھی ہیں جن کے برابر ہمارا وعظ و نصیحت موثر نہیں ہو سکتی والسلام

سیّدنا عمر بن عبدالعزیزؒ

کے ۔۔۔۔۔ چند خطوط و فرامین

سیّدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کے قالب میں جو خالص اسلامی ذہن اور اسلامی روح کار فرما تھی (اور جو بالآخر اُن کے نظامِ سلطنت میں جلوہ گر ہوئی) اس کا صحیح اندازہ اُن کے خطوط اور سرکاری فرامین سے ہوتا ہے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً سلطنت کے کارپردازوں اور اعلیٰ عہدہ داروں کو لکھے، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسا خالص اسلامی ذہن و دماغ بخشا تھا جس پر جاہلیت کی کوئی پرچھائیں اور شاہانِ بنی امیہّ کے اخلاق و افکار کا کوئی سایہ بھی نہیں پڑھا تھا۔ یہاں چند خطوط پیش کئے جاتے ہیں:

ان کو ایک مرتبہ معلوم ہُوا کہ بعض قبائلی سردار اور عہدِ اموی کے "نودولت" جاہلیت کی رسم حلف و مخالفت کو زندہ کر رہے ہیں[1] اور جنگ و مقابلہ کے موقع پر یالبنی فلان، یالمضر۔ (فلاں قبیلہ کی دہائی ہے، ہاں اے اہلِ مضر اپنے حلیف کی مدد کرو) کا جاہلی نعرہ لگانے لگے ہیں، یہ اسلام کے رشتہ، اخوت اور نظامِ اجتماعی کے متوازی ایک جاہلی نظام اور جاہلی رسم کا احیاء تھا، اور بہت سے فتنوں کا پیش خیمہ، سابق فرمانروا شاید اس کو بعض ملکی مصالح سے شہ دیتے یا کم سے کم اہمیت نہ دیتے، لیکن عمر بن عبدالعزیز نے اس خطرہ کو محسوس کیا، اور اس کے بارے میں مستقل فرمان صادر کیا۔ اپنے ایک بڑے عہدہ دار ضحاک ابن عبدالرحمٰن کو لکھتے ہیں:

"حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ اس اسلام کے علاوہ جس کو وہ اپنے لئے اور اپنے بندگانِ خاص کے لئے پسند فرما چکا ہے، کسی دین کو قبول نہیں فرماتا، اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی اس کتاب سے عزت بخشی اور اس کے ذریعہ اسلام اور غیر اسلام میں تفریق کر دی ہے۔ ارشاد فرمایا:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ　تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن

---

[1] جاہلیت میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا اور ایک شخص دوسرے شخص کا حلیف بن جاتا تھا، پھر وہ جا بیجا اسکی پاسداری کرتا تھا، اور حق و باطل میں اس کا ساتھ دیتا تھا۔

مُّبِيْنٌ يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
(مائدہ)

چیز آئی، اور ایک کتاب واضح کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہیں، سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکالکر نور کیطرف لے آتے ہیں۔ اور ان کو راہِ راست پر قائم رکھتے ہیں۔

... ...

نیز ارشاد ہے:

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔
(اسراء)

اور ہم نے اس قرآن کو راستی ہی کے ساتھ نازل کیا، اور وہ راستی ہی کے ساتھ نازل ہو گیا، اور ہم نے آپ کو صرف خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اور آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی، اس وقت تم اے اہلِ عرب (جیسا کہ تم کو معلوم ہے) ضلالت، جہالت، پریشانی، تنگی اور سخت انتشار میں مبتلا تھے، فتنے تمہارے درمیان عام تھے اور لوگوں کے پاس جو تھوڑا بہت دین باقی تھا، اس سے بھی تم محروم تھے، اس کے برعکس لوگوں کی گمراہیوں میں سے کوئی گمراہی ایسی نہیں تھی جس میں تم مبتلا نہ ہو، تم میں سے جو زندہ رہتا تھا، وہ جہالت و گمراہی کے ساتھ زندہ رہتا تھا، اور تم میں سے جو مرتا تھا، اس کا انجام جہنم ہوتا تھا، یہاں تک کہ اللہ نے تم کو ان برائیوں، بتوں کی پرستش، جنگ و جدال، منافرت اور تعلقات کی خرابیوں سے صاف بچا لیا، تم میں سے انکار کرنے والے نے انکار کیا، اور تم میں سے تکذیب کرنے والوں نے جھٹلایا، اور اللہ کا پیغمبر اللہ کی کتاب اور اسلام کی دعوت دیتا رہا۔ پھر تم میں سے بہت کم اور کمزور لوگ اس پر ایمان لائے، ان کو ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا، کہ لوگ انہیں اُچک نہ لیں، تو اللہ نے ان کو پناہ دی، اور اپنی مدد سے اُن کی تائید کی اور اُن کو وہ لوگ عطا فرمائے جن کا اسلام لانا اس کو منظور ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جانے والے تھے اور اللہ کو اپنے رسول سے اس وعدہ کو پورا کرنا تھا جس میں کوئی تغیر و تبدل ممکن نہیں، اس وعدہ کو تھوڑے سے

مسلمانوں کے علاوہ عام طور پر لوگوں نے بعید سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔
(توبہ)

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

بعض آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خود مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے، ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا۔
(نور)

تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں اُن سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ اُن کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی، اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے، اس کو اُن کے لئے قوت دے گا، اور اُن کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بامن کر دیگا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں۔ میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور مسلمانوں سے اپنے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کر دیا۔ اے اہل اسلام یاد رکھو تم کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی دیا، اسی اسلام کے صدقہ میں دیا ہے جس کی بدولت تم اپنے دشمنوں پر فتح پاتے ہو اور جس کی وجہ سے تم قیامت کے دن گواہ بنو گے، تمہارے لئے دنیا و آخرت میں اس کے علاوہ نہ نجات ہے اور نہ کوئی حفاظت کا سامان اور طاقت جب اللہ تعالیٰ تم کو وہ بہترین دن نصیب کریگا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، تو موت کے بعد اللہ کے ثواب کی امید ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔
(سورۃ القصص)

یہ عالم آخرت ہم انہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں، جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہیں، اور نہ فساد کرنا، اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔

میں تم لوگوں کو اس قرآن اور اس پر عمل نہ کرنے کے نتائج بد سے ڈراتا ہوں، اس لئے کہ اس پر عمل نہ کرنے کے نتیجہ میں جو واقعات پیش آئے ہیں، امت میں جو خونریزی، جو خانہ ویرانی، جو پراگندگی اور انتشار برپا ہوا، وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے، پس جس چیز سے اللہ نے تم کو اپنی کتاب میں منع کیا ہے، اس سے رک جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وعید سے زیادہ کوئی چیز خوف اور احتیاط کا مستحق نہیں ہے ....

جس چیز نے مجھے اس خط کے لکھنے پر مجبور کیا ہے وہ یہ بات ہے جو دیہات کے باشندوں کے متعلق مجھ سے ذکر کی گئی، اور ان لوگوں کی بابت جو نئے نئے حاکم اور عہدہ دار بنے ہیں۔ یہ بیچارے اجڈ اور جاہل قسم کے لوگ ہیں، احکام الٰہی کا ان کو علم نہیں، وہ اللہ کے معاملہ میں سخت دھوکہ میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ جو معاملہ رہا ہے، اس کو وہ بھول گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی انہوں نے ناشکری اور ناقدری کی ہے، جس تک پہنچنے کی ان میں صلاحیت نہیں تھی، مجھے بتلایا گیا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ جنگ میں مضر اور یمن والوں کا سہارا لیتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں ان کے حامی اور ولی ہیں۔ سبحان اللہ و بحمدہ ! یہ کس قدر ناشکر گذار اور کافر نعمت ہیں، ان کو ہلاکت، ذلت و خواری کا کیسا شوق ہے ۔؟ یہ دیکھتے نہیں کہ انہوں نے اپنے لئے کونسا مقام پسند کیا، کن امن و امان سے اپنے کو محروم کیا، اور کس گروہ سے اپنا تعلق پیدا کیا۔؟ اب مجھے معلوم ہوا کہ شقی اپنے ارادوں ہی سے شقی ہوتا ہے، اور جہنم بیکار نہیں پیدا کی گئی ہے۔ کیا ان لوگوں نے کلام پاک میں اللہ تعالیٰ کا یہ کلام نہیں سنا :

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (الحجرات)

مسلمان تو سب بھائی بھائی ہیں، سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

کیا انہوں نے یہ آیت کبھی نہیں سنی ؟

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ (المائدہ)

آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا، اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔

...

مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ زمانۂ جاہلیت کے طرز کی مخالفت کی دعوت دیتے ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مشروط حمایت کے وعدہ سے منع فرمایا ہے، اور ارشاد ہے لَاحِلْفَ فِی الْاِسْلَامِ (یعنی اسلام میں غلط دوستیاں اور جتھہ بندی نہیں ہے جاہلیت میں ہر حلیف دوسرے حلیف سے اسکی توقع رکھتا تھا کہ وہ اس کے معاہدہ اور رشتۂ مخالفت کا حق ادا کرے گا، اور اسکو پورا کرے گا، خواہ وہ بالکل ظالمانہ اور فاجرانہ ہو، اور اس میں صریح اللہ اور رسول کی نافرمانی ہوتی ہو۔ ----- میں ڈراتا ہوں ہر اس شخص کو جو میرا یہ خط سنے، اور جسکو یہ خط پہنچے، اس بات سے کہ وہ اسلام کے علاوہ کسی قلعہ کو اختیار کرے، اور اللہ و رسول اور مومنین کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا دوست بنائے، میں بڑے شدومد سے اور بار بار اس سے آگاہ اور متنبہ کرتا ہوں اور میں ان لوگوں پر اس ذات کو گواہ بنا رہا ہوں جسکی قدرت اور تصرف میں تمام جاندار ہیں اور جو ہر شخص کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے[1]

انہوں نے اپنے ایک فوجی افسر کو جنگ پر روانہ ہونے کے وقت جو ہدایت نامہ لکھا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا ذہن قرآن کے سانچہ میں کس طرح ڈھل گیا تھا، اور ان کا نقطۂ نظر اور طریقِ فکر دنیادار بادشاہوں اور سیاسی حکمرانوں سے کس قدر مختلف تھا،

منصور بن غالب کے نام ایک فرمان میں لکھتے ہیں :

اللہ کے بندے امیرالمومنین عمر کا یہ ہدایت نامہ ہے، منصور بن غالب کے نام جبکہ امیرالمومنین نے ان کو اہلِ حرب سے اور ان اہلِ صلح سے جو مقابلہ میں آئیں، جنگ کرنے کے لئے بھیجا ہے، امیرالمومنین نے ان کو حکم دیا ہے کہ ہر حال میں تقویٰ اختیار کریں کیونکہ اللہ کا تقویٰ بہترین سامان، موثر ترین تدبر اور حقیقی طاقت ہے۔ امیرالمومنین ان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے دشمن سے زیادہ اللہ کی معصیت سے ڈریں، کیونکہ گناہ دشمن کی تدبیروں سے بھی زیادہ انسان کے لئے خطرناک ہے ہم اپنے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں اور ان کے گناہوں کی وجہ سے ہم ان پر غالب آجاتے ہیں، کیونکہ اگر یہ بات نہیں ہے تو ان سے دراصل ہم میں مقابلہ کی قوت نہیں ہے، کیونکہ نہ تو ہماری تعداد ان کی تعداد کے برابر ہے، اور نہ ہمارا سامان ان کے سامان کے برابر، پس

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز (ابن عبدالحکم) ص ۱۰۶، ۱۰۷ ترجمہ مولوی ابوالعرفان صاحب ندوی۔

اگر ہم اور وہ دونوں معصیت میں برابر ہو جائیں، تو وہ قوت اور تعداد میں ہم سے بڑھ کر ثابت ہوں گے۔ یاد رکھو اگر ہم ان پر اپنے حق کی وجہ سے فتح نہ پا سکیں گے تو اپنی قوت کی وجہ سے بھی اُن پر غالب نہ آسکیں گے، اور اپنے گناہوں سے زیادہ کسی کی دشمنی سے چوکنا نہ ہوں، جہاں تک ممکن ہو اپنے گناہوں سے زیادہ کسی چیز کی فکر نہ کریں، سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تم پر کچھ محافظ مقرر کئے گئے ہیں، جو تمہارے سفر و حضر کے افعال کو جانتے ہیں، پس ان سے شرم کرو، اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اُن کو اللہ کی نافرمانی کر کے ایذا نہ پہنچاؤ خصوصاً ایسی حالت میں کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم راہِ خدا میں نکلے ہوئے ہو، اور یہ مت سمجھو کہ ہمارے دشمن ہم سے گئے گزرے ہیں، اس لئے گو ہم گناہگار ہیں، لیکن وہ ہم پر غالب نہیں آسکتے، کیونکہ بہت سی ایسی قومیں ہیں جن پر اُن کے گناہوں کی وجہ سے ان سے بدتر لوگوں کو مسلط کر دیا گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے اپنے نفسوں کے مقابلہ میں مدد چاہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے تم اپنے دشمن کے مقابلہ میں مدد چاہتے ہو، میں بھی اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں۔

اور امیر المؤمنین منصور بن غالب کو حکم دیتے ہیں کہ سفر میں، اپنے ساتھیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں، اور اپنے ساتھیوں کو ایسی قطع مسافت پر مجبور نہ کریں جو مشقت میں مبتلا کر دے، اور سفر میں کسی ایسی منزل یا پڑاؤ سے گریز نہ کریں جس سے ان کو آرام ملتا ہو، یہاں تک کہ ان کا دشمنوں سے اس حالت میں سامنا ہو کہ سفر کی تکان نے ان کی قوتوں کو گھٹا نہ دیا ہو، وہ ایسے دشمن کے پاس جا رہے ہیں جو اپنے گھروں میں ہیں، اُن کا سامان اور سواریاں سستائی ہوئی ہیں، پس اگر سفر میں اپنے اور اپنی سواریوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ نہ کریں گے، تو اُن کے دشمنوں کو اُن پر زیادہ قوت حاصل ہوگی، کیونکہ دشمن اپنے گھروں میں ہیں، جہاں اُن کے آدمی اور سواریاں آرام کئے ہوئے ہیں۔ اور اللہ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے۔

اور امیر المؤمنین ان کو حکم دیتے ہیں کہ ہر جمعہ ایک رات اور دن سفر نہ کریں، اور آرام کریں جس میں خود کو اور جانوروں کو آرام پہنچائیں اور اپنے سامان اور ہتھیاروں کی مرمت کریں، اور امیر المؤمنین اُن کو حکم دیتے ہیں کہ اپنا قیام صلح کی بستیوں سے الگ رکھیں، امن و امان

والی بستیوں میں اُن کے ساتھیوں میں سے کوئی نہ جائے، نہ ان کے بازاروں میں، نہ ان کی مجلسوں میں، ہاں وہ شخص جا سکتا ہے جس کو اپنے دین اور امانت پر پورا بھروسہ ہو، اور نہ اُن بستی والوں پر ظلم کریں اور نہ وہاں سے اپنے لئے گناہ جمع کریں، اور نہ اُن کو کچھ اذیت پہنچائیں، سوائے اس کے کہ شرعی مطالبہ یا واجبی حق ہو، کیونکہ ان کا حق اور ان کی ذمہ داری ہے جس کے پورا کرنے کا تم کو اسی طرح ذمہ دار بنایا گیا ہے جسطرح کہ وہ لوگ حقوق ذمّہ کی پابندی کے مکلف ہیں، پس جب تک کہ وہ لوگ اپنے حقوق کی ادائیگی پر ثابت قدم رہیں، تم لوگ بھی اُن کے حقوق ادا کرتے رہو، اور صلح والوں پر ظلم کر کے جنگ والے ملکوں پر غلبہ مت حاصل کرو، قسم اللہ کی تمہیں ان لوگوں کے مال میں سے اتنا حصہ پہلے ہی دیدیا گیا ہے کہ اب مزید کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت، ہم نے تمہارے سامان میں کوئی کوتاہی بھی نہیں کی ہے، اور نہ تمہاری قوت میں کوئی ضعف رہنے دیا ہے، اور تمہارے لئے سامان اچھی طرح جمع ہو گیا ہے، تمہیں ایک منتخب فوج دی گئی ہے اور شرک والے ملکوں کیطرف تم کو مشغول کر کے صلح والوں کیطرف سے تمہاری توجہ ہٹالی ہے، اور ایک عابد کے لئے جتنا بندوبست کر سکتا تھا، اس سے بہتر تمہارے لئے کر دیا ہم نے تمہارے لئے قوّت کی بہم رسانی میں کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، اور اللہ ہی پر بھروسہ ہے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور امیر المؤمنین کی ہدایت ہے کہ اُن کے جاسوس عرب اور اہل ملک میں سے وہ لوگ ہوں جن کے اخلاص اور صدق پر ان کو اطمینان ہو، کیونکہ دروغ گو کی اطلاع نفع نہیں پہنچاتی، اگرچہ اسکی کوئی بات صحیح بھی ہو، فریب دہندہ دراصل تمہارے دشمن کا جاسوس ہے، تمہارا جاسوس نہیں۔ والسّلام علیک

ایک عمومی خط میں عمال سلطنت کو تحریر فرماتے ہیں:

اما بعد بیشک یہ ذمہ داری جو اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد فرمائی ہے اگر میں نے اسکو قبول کیا ہے کہ اس سے میرا مقصد کھانا، لباس، سواری یا شادیاں یا جمع اموال ہوتا، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے پہلے ہی چیزیں اتنی دے رکھی تھیں جو مشکل سے لوگوں کو ملا کرتی ہیں، لیکن میں نے اس ذمہ داری کو بہت ڈرتے ڈرتے قبول کیا ہے، مجھے اس کا بخوبی احساس ہے کہ یہ عظیم الشان ذمہ داری ہے، اس کی بازپرس بڑی سخت ہے، جس وقت فریق اور مدعی قیامت کے دن جمع ہوں گے، تو

باقی ص ۱۷ پر

تحریر: سید عبدالرحمن ایم۔اے لیکچرر تاریخ
کراچی یونیورسٹی

ترجمہ: محمد معین خان۔ بی۔اے
(انگریزی سے اردو ترجمہ)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے

عمرانیاتی معاشی افکار

اور ان کی تحدیات

سترھویں صدی کے اختتام اور اٹھارویں صدی کے آغاز پر مسلم معاشرہ کا جو حال تھا اس کی بہترین وضاحت ذیل کے دو عنوانوں کے تحت کی جا سکتی ہے۔

۱۔ یقین و تاریخ کا باہمی فصل

۲۔ تاریخی ترقی کا زوال

اسلام نے دنیا کے آگے بعض ایسی عالمگیر قدریں پیش کیں جن پر اس کے متبعین پورا پورا یقین رکھتے تھے اور مسلم معاشرہ دراصل اپنے افراد و ارکان کے اسی یقین کا ماحصل تھا۔ اور اسی یقین نے فرد کی ان سرگرمیوں کا مرکز مہیا کیا جن سے ایک اجتماعی زندگی اور ایک رفعت پذیر اور مدنی معاشرہ کا ڈھانچہ تیار ہوا۔ مسلم تاریخ کیا ہے؟ زمان و مکان میں یقین کی عمل آوری۔ عہد نبویؐ اور دور خلفائے راشدین کے مسلمانوں نے ایک سیاسی تنظیم، ایک معاشرتی ڈھانچہ اور ایک ایسا معاشی نظام تشکیل دیا جو ان کے یقین کے عین مطابق تھا۔ یہ لوگ اپنے یقین کے مطابق ہی عمل کیا کرتے تھے۔ اس طرح یقین و تاریخ کے مابین ایک مطابقت تھی، اتحاد تھا، ہم آہنگی تھی، ایک وصل تھا جو فصل سے ناآشنا تھا۔

لیکن بعض وجوہ کی بنا پر جن کی تفصیل میں جانے کا یہاں کوئی موقع نہیں ہے۔ یقین و تاریخ کا یہ مضبوط رشتہ ٹوٹ گیا۔ باوجود اس کے کہ علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کی ہر اقلیم کو مسلمان سرکر رہے تھے۔ اور ہر میدان میں پرچم قیادت اڑا رہے تھے۔ زمانہ کی آنکھیں یہ بھی صاف طور

پر دیکھ رہی تھیں کہ یہ لوگ اپنے اساسی تصور سے دور ہوتے چلے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس کا ثبوت ہمیں موروثی بادشاہت کے رواج اور تصوف کے غلبہ سے ملتا ہے۔ تصوف، اس نظریہ کا موید ہے کہ مذہب فرد کا ایک نجی معاملہ ہے[1] اور اس کا تعلق تاریخی فتوحات وحاصلات سے کہیں زیادہ تزکیۂ نفس اور نجاتِ اخروی سے ہے۔

یقین وتاریخ کا یہ فصل جو شروع میں نہایت خفیف اور غیر محسوس سا تھا، وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یقین وتاریخ کی اس درمیانی خلیج کو پاٹنے کی کوششیں بھی کی گئیں لیکن ان میں جو کامیابیاں ہوئیں وہ محض جزوی اور موقتی تھیں اور اٹھارویں صدی کے اواخر میں یہ خلیج اتنی وسیع ہوگئی کہ اس کا پاٹنا بعید از امکان نظر آنے لگا۔

اگرچہ مسلم تاریخ یقین کے مرکزی نظریہ سے دور جا پڑی تھی لیکن وہ ایک عرصہ تک اوج کی طرف حرکت کرتی رہی۔ انشذاذی رجحانات اور سلاطینی رقابتوں کے باوجود زمانہ مابعد کے معاشرتی، سیاسی، اور معاشی اداروں نے عوام کو امن وخوش حالی کی ضمانت دے رکھی تھی، لیکن یقین کی شاہراہ سے انحراف کرنے کا اثر مسلمانوں کی دنیاوی تاریخ پر پڑنا ازبس ضروری تھا۔ وہی مسلم معاشرہ جو کبھی تہذیب و ثقافت کی ہر شاہراہ پر امامت وقیادت کا لوائے احتشام اڑائے جا رہا تھا۔ اب بڑی تیزی کیساتھ زوال کی پستیوں میں گرنے لگا۔ خلافت جس نے کبھی منتشر و پراگندہ عناصر کو ایک ہم آہنگ وحدت کی لڑی میں پرو دیا تھا، زمانہ نے اسے اس قدر خراب وخستہ کر دیا کہ وہ چھوٹی چھوٹی شاہیوں اور سلطانیوں کا ایک بے ڈھب سا ڈھیر بن کر رہ گئی اور کچھ زیادہ مدت گزرنے نہ پائی کہ یہی شاہیاں اور سلطانیاں ایسی ایسی برائیوں اور خباثتوں کی پرورش گاہوں کی صورت اختیار کر گئیں جو ایک زوال پذیر معاشرہ سے مختص ہوا کرتی ہیں، وہ معاشی نظام جسے اسلام نے اس لئے وضع کیا تھا کہ اسکی معرفت ساری امت کے لئے مساوی مواقع میسر ہوں اور دولت صرف چند ہاتھوں میں سمٹنے سے محفوظ رہے، اس کا زریں پیرہن جگہ جگہ سے چاک ہوگیا اور اسکی دھجیوں سے جاگیرداریت جیسی عدم مساواتوں کی قبائیں بنائی گئیں۔ علوم وفنون اور تجارت وحرفت کی راہیں بری طرح مسدود ہوگئیں۔ وہ دین جو توحیدِ خالص کی تعلیم دیتا تھا، اب اس کا چشمۂ صافی غیر اسلامی اور غلط عناصر کی آمیزش سے گدلا ہوگیا تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ مسلم معاشرہ ایسی ایسی اعلیٰ قدروں کی جنت بنا ہوا تھا جو اس سے قبل بنی نوع انسان کو کبھی نصیب ہی نہ ہوئی تھیں، لیکن اب وہ وقت جا چکا تھا اور وہ زمانہ معدوم ہو چکا تھا۔

اسلامی تصور اور مسلم آئین ہر دو کے زوال نے مسلمانوں کو ایسی زندگی کی طرف دھکیل دیا تھا،

---

[1] مقالہ نگار کے بعض دیگر آراء کیطرح صحیح اسلامی تصوف کے بارہ میں ان کی اس رائے سے بھی ہمیں اختلاف ہے۔ (ادارہ)

جو خلل و انتشار سے پُر تھی۔ ملک کے اندر سیاسی عدم استحکام نے، بیرونی دنیا سے نمٹنے کی عدم صلاحیت نے، معاشی نظام کی ابتری و خستہ حالی نے، تجارت و حرفت کی قیادت کے نقصان نے، ایک زوال پذیر ثقافت کے بوجھل رسومات نے، غرض یہ اور اس قسم کے دیگر عناصر نے ملکر مسلم معاشرہ پر ایسا انتشار ڈالا جو اس کے لئے قطعاً ناقابل برداشت تھا۔ اٹھارویں صدی میں مسلم معاشرہ کو جو مسئلہ درپیش تھا وہ یہ تھا کہ انتشار و پراگندگی اور زوال و پستی کیطرف لے جانے والی قوتوں کو دبایا جائے اور اسلام کے اقداری ڈھانچہ کی تماماً و کمالاً جدید تنظیم کی جائے۔

یہ تھا وہ زمانہ اور یہ تھے وہ حالات جبکہ حضرت شاہ ولی اللہ ایک ایسے ہندوستانی گھرانہ میں پیدا ہوئے تھے جو اپنے علم و تقویٰ کے لئے دور دور تک مشہور تھا۔ شاہ صاحب کو ابتدائی تعلیم مدرسہ رحیمیہ میں ملی تھی۔ اس مدرسہ کو ان کے والد شاہ عبدالرحیم نے قائم کیا تھا، جو خود بھی ایک متبحر عالم اور ممتاز صوفی تھے اور فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں ان کا بھی حصّہ تھا۔ مدرسہ رحیمیہ کو اپنے معاصر تعلیمی اداروں میں بے نظیر حیثیت حاصل تھی۔ اس دار العلوم کی سب سے خاص بات یہ تھی کہ اس نے ایک طرف متکلموں اور صوفیوں اور دوسری طرف فقیہوں کے انتہا پسندانہ خیالات کے مابین ایک واسطہ تلاش کرنے کی کوششیں کی تھیں۔ اس ادارہ کا ماحول اعتدال پسندانہ تھا، یہاں کے اساتذہ استدراک مسائل کے معاملہ میں امتزاجی طریق کار پر کاربند تھے اور ان کے اس طریق استدراک نے شاہ ولی اللہ کے لوحِ ذہن پر کچھ اتنا گہرا اور پائیدار نقش بٹھایا کہ وہ مدت العمر باقی رہا۔

عہدِ طفولیت ہی سے شاہ ولی اللہ میں تعمیری تفکر کی علامتیں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ پندرہ سال کی چھوٹی سی عمر ہی میں انہوں نے قرآن، حدیث، فقہ اور دیگر علوم اسلامیہ کی تعلیم مکمل کر لی تھی، مکہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ میں انہیں شیخ ابوطاہر جیسے عظیم المرتبت اساتذہ کے آگے زانوئے ادب تہہ کرنے کے مواقع ملے تھے جو "اپنی آزادی[1] رائے اور ملائمت کلام" میں بڑے مشہور تھے۔

شاہ ولی اللہ ۱۷۳۲ء میں ہندوستان آئے اور یہاں انہوں نے ایسے مضامین کے درس دینے اور ان پر کتابیں قلمبند کرنے کا کام شروع کیا جن پر زمانہ کی توجہ خصوصیت کے ساتھ مرکوز تھی۔ ان کی تصانیف کی طویل فہرست میں حسب ذیل کتابیں بے انتہا قدر و منزلت کی حامل ہیں۔

۱۔ بدور بازغہ ۲۔ ازالۃ الخفا ۳۔ فیصلہ وحدت الوجود و وحدت الشہود
۴۔ انصاف فی بیان سبب الاختلاف ۵۔ حجۃ اللہ البالغۃ

موخر الذکر کتاب اسلامی فکر و معتقدات کی گویا قاموس ہے۔ شاہ صاحب کی ان تمام تصنیفوں

---

[1] یہ آزادیٔ رائے آج کل کے روشن خیالوں جیسی نہ تھی ۔۔۔ س ح۔

میں مذہبی تصوّر کی تعمیرِ جدید اور مسلمانوں کی زندگی میں روح حرکت کے نفوذ کے موضوع کو آپ ہر جگہ حاضر و موجود پائیں گے۔ یہاں ہم اسلام میں مذہبی فکر کی تعمیرِ جدید اور مدنی معاشرہ کی تنظیمِ نو کے متعلق شاہ ولی اللہ کے خیالات و نظریات کا خلاصہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

جیسا کہ ہم سطورِ بالا میں بیان کر چکے ہیں اٹھارویں صدی کا مسلم معاشرہ انحرافیت اور زوال کی قوتوں کا شکار بن چکا تھا۔ ایک خطرناک قسم کا انتشار مسلمانوں کی زندگی کو زنگ کی طرح چاٹ رہا تھا۔ یہ انتشار سطحی نہ تھا۔ بلکہ اس سے تو اسلام کے اقداری ڈھانچہ کو شدید ضرب پہنچ چکی تھی۔ لہٰذا وقت کی اہم ترین ضرورت یہ تھی کہ اسلام کے مذہبی تصوّر کی جدید تعمیر کی جائے۔

شاہ ولی اللہ جو مسئلہ کی اہمیت کا نہایت گہرا احساس رکھتے تھے۔ اس میدان میں اپنی مساعیِ جمیلہ کے ساتھ اتر آئے۔ سب سے پہلے انہوں نے حالات کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس حالت تذبذب و انتشار کے سبب سے بڑے وجوہ دو ہیں۔ ۱۔غیر اسلامی خیالات کا نفوذ۔ ۲۔عہدِ وسطیٰ کے مستندات کے ساتھ مطابقت کا لزوم۔ اوّل الذکر سے مسلمانوں کے معتقدات بری طرح ملوّث ہو گئے تھے اور موخر الذکر کے ہاتھوں مسلمانوں کی قومی زندگی جامد اور معطل بن کر رہ گئی تھی۔

قرآن و حدیث ہی دو ایسے ستون تھے جن پر مسلم معاشرہ کی پوری عمارت قائم تھی اور ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا گیا، صوفیوں اور نظریہ بازوں کے خود ساختہ نظریئے قرآن و حدیث کی تعلیمات کو اپنے سیلاب بے تیزی میں غرق کرتے چلے گئے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اسلام کے سوادِ اعظم میں غیر صحت مند تخیلات کی ایک آماجگاہ تیار ہو گئی۔ یہی وجہ تھی کہ شاہ ولی اللہ نے "قرآن و حدیث کی طرف لوٹ جاؤ" کا ولولہ انگیز نعرہ بلند کیا وہ یہ سمجھتے تھے کہ قرآنی طرزِ زندگی کو بحال کرنا اور رواجی طریقِ زندگی کی حدوں کے پار گذر جانا ہی مسلم قوم کے مسئلہ کا واحد حل ہے۔ ان کے پاس قرآنی طرزِ زندگی کا مطلب یہ نہ تھا کہ عہدِ نبویؐ کے مروجہ شعار و اداب کی من و عن تقلید کی جائے بلکہ وہ تو عالمی اور مقامی امور و معاملات میں نمایاں امتیاز قائم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مذہب ایک روح ہے جو کسی خلاء میں ظاہر نہیں کی جا سکتی بلکہ اس کے لئے تو ایک ذریعہ کی ضرورت ہوتی ہے اور مذہب اسلام کی یہ ضرورت عربی روایات سے پوری ہوتی ہے۔ زمان و مکان کے تبدّل و تغیّر کے ساتھ ساتھ مذہب کا ذریعۂ اظہار بھی بدلتا جاتا ہے۔ لیکن وہ ذریعہ جس میں اسلام کو سب سے پہلی دفعہ اپنے تئیں ظاہر کرنے کا موقع ملا وہی تمام ذریعوں کے مقابلہ میں نہایت عمدہ

اور بہترین ہے، اس لئے لازم ہے کہ اسی ذریعہ کو مقامی عمل آوریوں اور پابجائیوں کے جانچنے کا معیار بنایا جائے۔

شاہ ولی اللہ کا طریق استدراک عمرانیاتی تھا۔ وہ فقید المثال بصیرت کے عالم تھے، وہ سمجھتے تھے کہ مختلف ثقافتیں بجائے خود الگ الگ حقیقتیں ہیں جو ہمیشہ سے ہیں۔ اور ہمیشہ رہیں گی۔ چنانچہ وہ اپنے اسی نظریہ کے تحت ثقافتی اضافتوں کو جائز قرار دیتے تھے اور مدار اسلام کے اندر ثقافتی کثرتیت کے تصور کی وکالت کرتے تھے۔

اٹھارویں صدی کے لگ بھگ مسلمانوں میں زندگی کا ایک سکونی نظریہ فروغ پاگیا تھا جو اس عقیدہ پر منتج ہوا کہ وقت کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے ایک عام فکری اصول ہی کافی ہے۔ مگر شاہ ولی اللہ تو ان ممتاز ترین مفکروں میں سے تھے جنہوں نے زندگی کی حرکتی خصوصیت پہ نہ صرف دوبارہ توجہ دی بلکہ بڑے شد و مد کے ساتھ اس کا پرچار بھی کرتے رہے۔ شاہ صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ زندگی ہر لحظہ متغیر ہوتی رہتی ہے اور ہر تغیر ایک نئی جدت کا موجب ہوتا ہے۔ اس لئے وجود کے ہر لحظہ متغیر ہونے والے پہلو کا مقابلہ کرنا کسی عام فکری اصول کے بس کا روگ نہیں ہے۔ لہذا صحت مند اور کارکرد فکری اصول صرف وہی ہو سکتا ہے جو نہ صرف ایسی مستقل قدروں کا سرمایہ دار ہو جو معاشرہ کے لئے مستقل سہارا مہیا کرتی ہیں، بلکہ اس میں معاشرہ کو بدلتے ہوئے حالات سے متوافق بنانے کی صلاحیت بھی موجود ہو۔ اور اسلام میں یہ صلاحیت اصول اجتہاد کی صورت میں موجود ہے۔

شاہ ولی اللہ نے اصول اجتہاد کو بڑی محنت و جانفشانی سے اتمام تک پہنچایا اور اسکو زندگی کے مختلف احوال پر منطبق کرنے کے ضوابط بھی وضع کئے۔ انہوں نے اصول اجتہاد کو جو اس قدر زیادہ اہمیت دی ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ اس اصول کی عمل آوری ہر زمانہ میں لازمی قرار پا جائے۔

متقدم مفکرین روحانی اور اخلاقی عوامل ہی کو معاشرہ کے تغیر و تبدل کا ذمہ دار گردانتے تھے اسی لئے وہ ان عوامل کو بے حد اہمیت دیتے تھے، اور اس کے برخلاف مادی قوتوں کی ان کے پاس کوئی اہمیت نہ تھی۔ لیکن شاہ ولی اللہ یہ سمجھتے تھے کہ معاشری ڈھانچہ میں رونما ہونے والے تغیرات کے اپنے جداگانہ قوانین ہیں جو انسانی شعور کے باہر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہ قوانین روحانی اور مادی دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب نے مادی قوتوں پر زیادہ زور

دیا ہے۔ انہوں نے معاشی عوامل کو معاشرتی ڈھانچہ کی صورت گری میں اتنی اہمیت دی کہ روحانی اور اخلاقی قدروں کو معاشی معدلت والنصاف کا تابع بنا دیا۔ شاہ صاحب نے "ارتفاق" اور "اقتراب" کی دو اصطلاحیں وضع کی ہیں۔ اول الذکر اصطلاح عمرانیاتی معاشی تحفظ کے لئے ہے اور موخر الذکر روحانی ارتقاء پر دلالت کرتی ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک روحانی ارتقاء زندگی کا اہم ترین مقصد ہے، لیکن تاوقتیکہ لوگوں کی دنیاوی زندگی میں عمرانیاتی معاشی تحفظ موجود نہ ہو مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہندوستان کی بدنظمیوں کے اسباب وعلل پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " ان دنوں ریاست پر جو تباہی نازل ہو رہی ہے اس کے دو سبب ہیں۔ پہلا سبب تو سرکاری خزانہ کی زیر باری ہے جسکی حقیقت یہ ہے کہ لوگوں میں کوئی خدمت یا کام انجام دئے بغیر سرکاری خزانہ سے مفت رقم حاصل کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اس کے لئے یا تو وہ اپنے سپاہی یا عالم ہونے کا عذر پیش کرتے ہیں۔ اور اس بہت سے خزانہ پر اپنا حق جتلاتے ہیں۔ یا اپنے تئیں ان لوگوں میں شامل کرتے ہیں جنہیں خود بادشاہ انعام واکرام پیش کرتا ہے۔ یعنی صوفیان باصفا اور شعرائے نغز گو یا اسی قبیل کی دیگر جماعتیں جو ریاست کی کوئی خدمت بجالائے بغیر سرکاری خزانہ سے مشاہرے پاتی رہتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی آمدنی کے وسائل گھٹا دیتے ہیں اور ملک کی معیشت پر ایک بوجھ بنے ہوئے ہیں۔

اس عام تاراجی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ مزارعین، تجار اور اہل حرفہ سے بھاری بھاری محاصل وصول کئے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہ تمام جماعتیں جو ریاست کی وفادار اور فرمانبردار ہیں رفتہ رفتہ خستہ حال اور پامال ہوتی جا رہی ہیں۔ سرکش اور عیار روز افزوں سرکش وعیار بنتے جا رہے ہیں۔ وہ کوئی محصول ادا نہیں کرتے۔ کسی ملک کی خوشحالی اور اقبال مندی کا مدار اس پر ہے کہ عوام پر محاصل کا بوجھ کم سے کم ڈالا جائے اور فوج نیز دیگر محکمہ جات میں صرف اتنے ہی آدمی ملازم رکھے جائیں جتنوں کی واقعی ضرورت ہو۔ لوگوں کو چاہیئے کہ اس رمز کو اچھی طرح سمجھ لیں۔"

شاہ ولی اللہ نے اصول "عدل" و "توازن" پر زور دیا ہے۔ عدل سے ان کی مراد عام اصول معدلت والنصاف سے ہے اور توازن سے ان کی مراد معاشی تعلقات میں تعادل و مساوات سے ہے۔ ایک اور عامل جس کو شاہ صاحب بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ تمدنی شعور ہے جس کا انحصار زیادہ تر خاندان کے صحت مندانہ نشو و فروغ پر ہوتا ہے۔ شاہ صاحب

کہتے ہیں کہ تاوقتیکہ یہ تینوں عوامل بہ یک وقت عمل پیرا نہ ہوں کوئی معاشرہ صحت مندانہ طریقہ سے فروغ نہیں پاسکتا اور جو معاشرہ ان چیزوں سے محروم ہوتا ہے وہ ضرور فنا ہو جاتا ہے۔

جس زمانہ میں شاہ ولی اللہ نے اپنی تحریک آغاز کی اس وقت ہندوستان دوہری آفت سے دوچار تھا یعنی یورپی طاقتوں کی مداخلت اور اندرونی قوتوں کی دہشت گردی، ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارندے پہلے ہی سے مغل سلطنت کے کئی صوبوں پر چھا چکے تھے۔ سکھ، مرہٹے اور جاٹ تخت دہلی کو حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے۔ ملک کی زبوں حالی کا یہ نقشہ دیکھ کر شاہ صاحب نے سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہا کہ مغل سلطنت کو مکمل طور پر منہدم ہونے سے بچایا جائے۔ لیکن یاد رہے کہ اس سے مقصود آلِ تیمور کی عزت و ناموس کا تحفظ کرنا نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کو مغل سلطنت کی بقا و استحکام میں اپنے مستقبل کے لائحہ عمل یعنی خلافت راشدہ کے نمونہ پر مسلم معاشرہ کی تنظیم جدید کرنے کے لئے ایک مضبوط اساس نظر آتی تھی۔

شاہ صاحب نے ایک طبیب حاذق کی طرح مغل سلطنت کے مرض کی تشخیص کی اور اس کے علاج کے سلسلہ میں مغل بادشاہ کو حسب ذیل مشورے دئے :

۱۔ جاٹوں کی شورش سکھوں اور مرہٹوں کی شورشوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ خطرناک ہے کیونکہ یہ لوگ خاص پایۂ تخت سے بہت قریب ہیں۔ لہذا ان کی روک تھام کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں۔

۲۔ جو علاقہ راست مرکزی نظم و نسق کے تحت ہے اس کو اکبر آباد اور سرہند تک وسعت دیدی جائے۔ اس سے سرکاری خزانہ کی آمدنی میں اضافہ ہو جائے گا۔ کیونکہ مرکزی اقتدار کو جو زوال آرہا ہے اس کا سب سے بڑا سبب خزانہ کی زبوں حالی ہے۔

۳۔ چھوٹی چھوٹی جاگیروں کو باہم جوڑ کر بڑے صوبے بنا دئے جائیں اور ان پر ایسے حاکم مقرر کئے جائیں جن کی وفاداری آزمودہ ہو۔

۴۔ فوج کی از سر نو تنظیم کی جائے اور کلیدی عہدوں پر صرف عمدہ صلاحیتوں کے آدمیوں کو مامور کیا جائے۔ مشاہرات کی ادائیگی میں پابندی اور باضابطگی کا خاص لحاظ رکھا جائے کیونکہ سپاہی وقت پر تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے قرض لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بددیانت اور بد اطوار اور مآل کار تباہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۵۔ قاضیوں اور محتسبوں کو مامور کرتے وقت اس بات کا پورا پورا اطمینان کر لیا جائے کہ وہ لوگ جنہیں یہ عہدے دئے جا رہے ہیں اتنے بلند کردار ہیں کہ خوف یا طرفداری ان کے پائے ثبات کو متزلزل نہیں کر سکتی۔

شاہ صاحب نے یہ بھی مشورہ دیا کہ ائمہ مساجد کو باقاعدہ تنخواہیں دی جائیں ——

مغل بادشاہ کو حالات وقت کے مقابلہ پر کمربستہ کرانے میں جو کوششیں شاہ صاحب نے کی تھیں وہ سب کی سب رائیگاں گئیں۔ سچ تو یہ ہے کہ حکومت کی تنظیم جدید کی مہم بادشاہ کے بس کا روگ نہ تھی۔ مغل بادشاہ سے مایوس ہو کر شاہ صاحب نے نظام الملک کیطرف نظریں اٹھائیں۔ لیکن نظام الملک دکن کے معاملات میں کچھ اس درجہ منہمک تھے کہ شمال کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہ لے سکے۔ تب شاہ صاحب نے روہیلوں کے سردار نجیب الدولہ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اسے معاشرہ کو مزید انتشار و پراگندگی کی مصیبتوں سے بچانے پر آمادہ کر لیا۔ اگرچہ نجیب الدولہ نے اس مہم کا بیڑا اٹھا لیا تھا۔ لیکن بہت جلد اس کے امیروں اور لشکر کے سرداروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ناچار شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی اور ان کی یہی دعوت پانی پت کی تیسری لڑائی پر منتج ہوئی۔ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں نے جو شکست کھائی تھی اس سے ان کی ساری طاقت کچل کر رہ گئی اور تخت دہلی کو حاصل کرنے کی جو آس ان کے دلوں میں موجزن رہتی تھی وہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نراس بن گئی۔

اس واقعہ کے بعد شاہ صاحب اپنے سیاسی لائحہ عمل کو جاری رکھنے کے لئے کچھ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکے کیونکہ ۱۷۶۲ء میں وہ اپنے رب سے جا ملے۔

امام شاہ ولی اللہ ایک جید عالم، باکمال صوفی، غیر معمولی ذہین مصلح اور ایک نہایت ہی بلند پایہ معاشری مفکر گذرے ہیں۔ علوم اسلامیہ سے جو وقوف انہیں حاصل تھا اس میں ایک قاموسی شان جھلکتی ہے۔ ان کے قلم نے اسلامی علم کی تقریباً تمام شاخوں پر اپنا اثر چھوڑا ہے اور یہ اثر صرف اندرون ہند سمٹا نہیں رہا بلکہ ہندوستان کی سرحدوں کے پار بھی جا پہنچا تھا۔ حجۃ اللہ البالغہ شاہ صاحب کا ادبی شاہکار ہے۔ یہ کتاب آج بھی الازہر اور سوڈان میں درسی کتاب کی طرح پڑھائی جاتی ہے۔

اسلامی تاریخ نے یوں تو ایسی بیشمار شخصیتیں پیدا کی ہیں جنہیں بعض انفرادی اوصاف میں بڑی فضیلت حاصل تھی، لیکن ایسی شخصیتیں خال خال ملیں گی جو شاہ ولی اللہ کی طرح مجموعۂ کمالات گذری ہیں شاہ صاحب نے مختلف مضامین و مباحث پر اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ یہ

خیالات عدم توازن اور بے جا طرفداری کی قباحتوں سے منزہ ہیں۔ شاہ صاحب کا طریق استدراک عقلی اور عمرانیاتی ہے۔ لیکن صرف ایک خلافت کا معاملہ ہی ایسا ہے، جس میں وہ اپنے اصل اصول سے انحراف کرتے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے خلافت کو ظاہری اور باطنی دو شقوں میں منقسم کیا ہے۔ اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ تو ایک ایسی وحدت ہے جس کا دامن اس قبیل کی تنویت سے یکسر پاک ہے۔ خلافت کی اس تفریق کے عقیدہ کی رو ہمیں منطقی طور پر ایسے متعدد خیالات کی طرف بہائے جاتی ہے۔ جو اسلام کے بالکل مغائر ہیں۔

شاہ ولی اللہ کا سب سے عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے معاشرہ میں بدلی ہوئی اور بدلتی ہوئی دنیا کے تعلق سے از سر نو جان ڈالنے کا ایک مجمل پروگرام پیش کیا۔ یہ سچ ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنی بہت ہی کم کوششوں کو مثمر و بار آور ہوتے دیکھ سکے۔ لیکن اس سے ان کی عظمت اور بڑائی کا حق محدود نہیں ہو جاتا۔ ان کی عظمت تو صحیح معنی میں اس گرانقدر میراث میں مضمر ہے جو انہوں نے آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑی تھی۔ شیعوں اور سنیوں کے متصادم خیالات کو مربوط، راسخ الاعتقادیوں اور صوفیوں اور خود صوفیوں کے باہمی اختلاف کو رفع اور مسلم زندگی کیلئے ایک نیا منہج تلاش کرنے کے سلسلہ میں جو کوششیں شاہ صاحب کی جانب سے ہوئی ہیں وہ سب کی سب نہایت ہی دور رس نتائج کی حامل نکلیں۔

شاہ ولی اللہ کے عمرانیاتی معاشی پروگرام کو ان کے نامور فرزندوں اور پر جوش مریدوں نے مبیّنہ وہابی تحریک کی صورت میں جاری رکھا۔ شاہ عبدالعزیز کا برطانوی مقبوضہ ہند کو دارالحرب قرار دینے کا فتویٰ، سید احمد سرہندی کی تحریک جہاد اور دیوبند و علی گڑھ کی تعلیمی تحریکیں یہ سب کے سب اور تمام کے تمام بالواسطہ اور بلا واسطہ نتائج ہیں۔ ان قوتوں کے جنہیں اس فلسفی درویش نے لذت حرکت سے آشنا کیا تھا۔ اس برصغیر کے موجودہ مسلمانوں کا کوئی خیال یا کوئی تحریک بھی آپ ایسی نہیں پائیں گے جس پر شاہ ولی اللہ کے خیال کا اثر یا ان کی تحریک کا نقش ثبت نہ ہو۔

قرآن ایک ایسے زمانے میں اترا جب انسان عالمِ فطرت کے بارے میں بہت کم جانتا تھا۔ اس وقت بارش کے متعلق یہ تصوّر تھا کہ آسمان میں کوئی دریا ہے جس سے پانی بہہ کر زمین پر گرتا ہے اور اسی کا نام بارش ہے۔ زمین کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ وہ چپٹی فرش کی مانند ہے۔ اور آسمان اس کی چھت ہے جو پہاڑ کی چوٹیوں کے اوپر کھڑی کی گئی ہے۔ ستاروں کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ چاندی کی چمکتی ہوئی کیلیں ہیں جو آسمان کی گنبد میں جڑی ہوئی ہیں یا وہ چھوٹے چھوٹے چراغ ہیں جو رات کے وقت رسیّوں کی مدد سے لٹکائے جاتے ہیں قدیم اہلِ ہند یہ سمجھتے تھے کہ زمین ایک گائے کی سینگ پر ہے اور جب گائے زمین کو ایک سینگ سے دوسری سینگ پر منتقل کرتی ہے تو اس کے سر کی جنبش سے زلزلہ آجاتا ہے۔ کوپرنیکس (۱۴۷۳ - ۱۵۴۳) تک یہ نظریہ تھا کہ سورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے۔

اس کے بعد علم کی ترقی ہوئی۔ انسان کے مشاہدے اور تجربے کی قوت بڑھ گئی جس کی وجہ سے بے شمار نئی نئی معلومات حاصل ہوئیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ اور علم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جس میں پہلے کے مسلمات بعد کی تحقیق سے غلط ثابت نہ ہو گئے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کا کوئی بھی انسانی کلام ایسا نہیں ہو سکتا جو آج بھی اپنی صحت کو پوری طرح باقی رکھے ہوئے ہو۔ کیونکہ آدمی اپنے وقت کی معلومات کی روشنی میں بولتا ہے، وہ شعور کے تحت بولے یا لاشعور کے تحت، بہرحال وہ وہی کچھ دہرائے گا جو اس نے اپنے زمانہ میں پایا ہو۔ چنانچہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی کوئی بھی انسانی کتاب آج ایسی موجود نہیں ہے جو غلطیوں سے پاک ہو۔ مگر قرآن کا معاملہ اس سے مختلف

ہے۔ وہ جسطرح ڈیڑھ ہزار برس پہلے کے دور میں برحق تھا، آج بھی وہ اسی طرح برحق ہے۔ زمانے کے گذرنے سے اس کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ واقعہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ ایک ایسے ذہن سے نکلا ہوا کلام ہے جسکی نگاہ ازل سے ابد تک محیط ہے جو سارے حقائق کو اپنی اصل شکل میں جانتا ہے، جس کی واقفیت زمانے اور حالات کی پابند نہیں۔ اگر یہ محدود نظر رکھنے والے انسان کا کلام ہوتا تو بعد کا زمانہ اسی طرح اس کو غلط ثابت کر دیتا۔ جیسے ہر انسانی کلام بعد کے زمانے میں غلط ثابت ہو چکا ہے۔

قرآن کا اصل موضوع اخروی سعادت ہے۔ اس لحاظ سے وہ دنیا کے معروف علوم وفنون میں سے کسی کی تعریف میں نہیں آتا۔ مگر اس کا مخاطب چونکہ انسان ہے اس لئے قدرتی طور پر وہ اپنی تقریروں میں ہر اس علم کو مس کرتا ہے، جس کا تعلق انسان سے ہے۔ یہ ایک بہت نازک صورت حال ہے، کیونکہ آدمی اپنی گفتگو میں اگر کسی فن کو مس کر رہا ہے تو خواہ وہ اس پر کوئی تفصیلی کلام نہ کرے، اگر اس کی معلومات ناقص ہیں، تو یقینی طور وہ ایسے الفاظ استعمال کرے گا جو صورت واقعہ سے ٹھیک ٹھیک مطابقت رکھتے ہوں۔ مثلاً ارسطو نے عورت کی کمتری ثابت کرنے کے لئے یہ کہا کہ: "اس کے منہ میں مرد سے کم دانت ہوتے ہیں"۔ ظاہر ہے کہ یہ فقرہ علم الاجسام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ مگر اس کے باوجود وہ ایک ایسا فقرہ ہے جو علم الاجسام سے ناواقفیت کا ثبوت دیتا ہے، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ مرد اور عورت کے منہ میں دانت کی تعداد یکساں ہوتی ہے۔ مگر یہ حیرت انگیز بات ہے کہ قرآن اگرچہ اکثر علوم انسانی کو کہیں نہ کہیں مس کرتا ہے، مگر اس کے بیانات میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں آنے پائی جو بعد کی وسیع تر تحقیقات سے یہ ثابت کرے کہ یہ ایسے شخص کا کلام ہے جس نے کمتر معلومات کی روشنی میں اپنی باتیں کہی تھیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بالاتر ہستی کا کلام ہے جو اس وقت بھی جانتا تھا، جب کوئی نہیں جانتا تھا۔ اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے، جن سے اب تک لوگ ناواقف ہیں۔

یہاں میں مختلف علوم سے متعلق چند مثالیں دوں گا جس سے اندازہ ہوگا کہ ایک علم کو مس کرتے ہوئے بھی قرآن کس طرح حیرت انگیز طور پر ان صداقتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں جو قرآن کے وقت معلوم شدہ نہیں تھیں بلکہ بعد کو دریافت ہوئیں۔

اس بحث سے پہلے بطور تمہید یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ جدید تحقیقات سے قرآنی الفاظ کی مطابقت اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ یہ تحقیقات متعلقہ واقعہ کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو چکی ہیں

اور اسطرح مادی کائنات کے بارے میں قرآن کے اشاراتی الفاظ کی تفسیر کے لئے ہم کو ضروری مواد حاصل ہوگیا ہے۔ اب اگر مستقبل کا مطالعہ کسی موجودہ تحقیق کو کلاً یا جزاً غلط ثابت کر دے تو اس سے کسی بھی درجہ میں قرآن کی تغلیط نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ قرآن کے مجمل اشارہ کے تفصیلی تعین میں غلطی ہوگئی تھی، ہم کو یقین ہے کہ آئندہ کی صحیح تر معلومات قرآن کے اشارتی الفاظ کو زیادہ صحیح طور پر واضح کرنے والی ہوں گی۔ وہ کسی اعتبار سے اس سے مختلف نہیں ہو سکتیں۔

اس سلسلے میں قرآن کے جو بیانات ہیں، ان کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جو ان امور سے متعلق ہیں، جن کے متعلق انسان کو نزول قرآن کے وقت کسی قسم کی معلومات حاصل نہیں تھیں۔ اور دوسرے وہ جن کے متعلق وہ سطحی اور ظاہری معلومات رکھتا تھا۔

کائنات کی بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کے متعلق دورِ سابق کے لوگ کچھ نہ کچھ جانتے تھے۔ مگر ان کا یہ علم ان دریافتوں کے مقابلے میں بے حد ناقص اور ادھورا تھا جو بعد کو علمی ترقی کے دور میں سامنے آئیں۔ قرآن کی مشکل یہ تھی کہ وہ کوئی سائنسی کتاب نہیں تھی اس لئے اگر وہ عالمِ فطرت کے بارے میں یکایک نئے نئے انکشافات لوگوں کے سامنے رکھنا شروع کر دیتا تو انہیں چیزوں پر بحث چھڑ جاتی اور اس کا اصل مقصد — ذہن کی اصلاح — پس پشت چلا جاتا۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اس نے علمی ترقی سے بہت پہلے کے زمانے میں اس طرح کی چیزوں پر کلام کیا۔ اور ان کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کئے جس میں دورِ سابق کے لوگوں کے لئے تشویش کا کوئی سامان نہیں تھا۔ اور اسی کے ساتھ بعد کے انکشافات کا بھی وہ پوری طرح احاطہ کئے ہوئے تھے۔

الف: قرآن میں دو مقامات پر پانی کا ایک خاص قانون بیان کیا گیا ہے۔ اوّل سورۂ فرقان میں، دوسرے سورۂ رحمان میں۔

اوّل الذکر اقتباس حسب ذیل ہے:

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَحْجُورًا۔ (الفرقان ـ ۵۳)	اور وہی ہے جس نے ملائے دو دریا، ایک کا پانی میٹھا خوشگوار ہے اور ایک کا کھاری تلخ۔ اور دونوں کے درمیان ایک آڑ رکھ دی۔

دوسری جگہ یہ الفاظ ہیں:

مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لایبغیان۔ (الرحمٰن ۲۱-۲۰)

اس نے چلائے دو دریا ملتے ہوئے دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔

....

ان آیات میں جس مظہرِ فطرت کا ذکر ہے، وہ قدیم ترین زمانے سے انسان کو معلوم تھا ——— وہ یہ کہ دو دریاؤں کے پانی جب باہم مل کر بہتے ہیں تو وہ ایک دوسرے میں شامل نہیں ہو جاتے، مثال کے طور پر چاٹگام (مشرقی پاکستان) سے لیکر ارکان (برما) تک دو دریا مل کر بہتے ہیں۔ اور اس پورے سفر میں دونوں کا پانی بالکل الگ الگ نظر آتا ہے۔ دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے۔ ایک طرف کا پانی میٹھا اور دوسری طرف کا کھاری۔ اسی طرح سمندر کے ساحلی مقامات پر جو دریا بہتے ہیں، ان میں سمندر کے اثر سے برابر مدوجزر (جوار بھاٹا) آتا رہتا ہے۔ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے، تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے۔ لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر کھاری رہتا ہے، نیچے میٹھا۔ اس کے بعد جب جزر ہوتا ہے تو اوپر سے کھاری پانی اتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں رہتا ہے۔ اسی طرح الہ آباد میں گنگا اور جمنا کے سنگم کے مقام پر میں نے خود دیکھا کہ دونوں دریا ملنے کے باوجود الگ الگ بہتے ہوئے نظر آتے ہیں اور درمیان میں ایک لکیر مسلسل چلی گئی ہے۔

یہ بات قدیم ترین زمانے سے انسان کے مشاہدے میں آچکی ہے۔ مگر یہ واقعہ کس قانونِ فطرت کے تحت واقع ہوتا ہے، یہ ابھی حال میں دریافت کیا گیا ہے۔ جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ رقیق اشیاء میں سطحی تناؤ (SURFACETENSION) کا ایک خاص قانون ہے اور یہی دونوں قسم کے پانی کو الگ الگ رکھتا ہے۔ چونکہ دونوں سیالوں کا تناؤ (TENSION) مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے وہ دونوں کو اپنی اپنی حد میں روکے رہتا ہے۔ آج کل اس قانون کو سمجھ کر جدید دنیا نے بیشمار فوائد حاصل کئے ہیں۔ قرآن نے بینہما برزخ لایبغیان کے الفاظ بول کر اس واقعہ کی ایسی تعبیر کی جو قدیم مشاہدے کے اعتبار سے بھی ٹکرانے والی نہیں تھی۔ اور اب جدید دریافت پر بھی وہ پوری طرح حاوی ہے۔ کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ برزخ (آڑ) سے مراد وہ سطح کا تناؤ ہے جو دونوں قسم کے پانی کے درمیان پایا جاتا ہے، اور جو دونوں کو مل جانے سے روکے ہوئے ہے۔

سطحی تناؤ کے قانون کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھئے۔ اگر آپ گلاس میں پانی بھریں تو وہ کنارے تک پہنچ کر فوراً بہنے نہیں لگے گا۔ بلکہ ایک سوت کے بقدر اٹھ کر گلاس کے کناروں کے اوپر گولائی میں ٹھہر جائے گا، یہی وہ چیز ہے جس کو شاعر نے خط پیمانہ کہا ہے ؎

اندازہ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ
ساغر سے اٹھیں موجیں بن کر خط پیمانہ

گلاس کے کناروں کے اوپر پانی کی جو مقدار ہوتی ہے، وہ کیسے ٹھہرتی ہے۔ بات یہ ہے کہ رقیق اشیاء کی سطح کے سالمات کے بعد چونکہ کوئی چیز نہیں ہوتی، اس لئے اس کا رخ اندر کیطرف ہو جاتا ہے۔ اس طرح سطح کے سالمات کے درمیان کشش اتصال بڑھ جاتی ہے اور قانون اتصال کے عمل کی وجہ سے پانی کی سطح کے اوپر ایک قسم کی لچکدار جھلی سی بن جاتی ہے اور پانی گویا اس کے غلاف میں اس طرح ملفوف ہو جاتا ہے۔ جیسے پلاسٹک کی سفید جھلی میں لپٹا ہوا نمک ملفوف ہوتا ہے۔ سطح کا یہی پردہ اوپر ابھرے ہوئے پانی کو روکتا ہے۔ یہ پردہ اس حد تک، قوی ہوتا ہے کہ اگر اس کے اوپر سوئی ڈال دی جائے تو وہ ڈوبے گی نہیں بلکہ پانی کی سطح پر تیرتی رہے گی۔ اس کو سطحی تناؤ کہا جاتا ہے اور یہی وہ سبب ہے جسکی بنا پر تیل اور پانی ایک دوسرے میں حل نہیں ہوتے۔ اور یہی وہ "آڑ" ہے جسکی وجہ سے کھاری پانی اور میٹھے پانی کے دو دریا مل کر بہتے ہیں مگر ایک کا پانی دوسرے میں شامل نہیں ہوتا۔

ب: اس طرح کے بیانات قرآن میں بہت ہیں۔ مثلاً ارشاد ہوا ہے:

اللہ الذی رفع السماوات بغیر عمد ترونھا۔ (رعد - ۲)	اللہ وہ ہے جس نے آسمان کو بلند کیا بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھ سکو۔

...

دور قدیم کے انسان کے لئے یہ الفاظ اس کے ظاہری مشاہدے کے عین مطابق تھے کیونکہ وہ دیکھتا تھا کہ اس کے سر کے اوپر سورج، چاند اور ستاروں کی ایک دنیا کھڑی ہے مگر کہیں اس کا پایہ اور کھمبا نظر نہیں آتا۔ اور اب جدید ترین معلومات رکھنے والے انسان کے لئے بھی اس میں مکمل معنویت موجود ہے۔ کیونکہ جدید ترین مشاہدہ بتاتا ہے کہ اجرام سماوی ایک لامحدود خلا میں بغیر کسی سہارے کے قائم ہیں اور ایک "عمد غیر مرئی" یعنی کشش ثقل ان کو بالائی فضا میں سنبھالے ہوئے ہے۔

ج۔ اسی طرح سورج اور تمام ستاروں کے بارے میں کہا گیا ہے۔

کل فی فلک یسبحون۔ سب کے سب ایک آسمان میں تیر رہے ہیں۔

دورِ قدیم میں بھی انسان اجرامِ سماوی کو حرکت کرتا ہوا دیکھتا تھا۔ اس لئے ان الفاظ سے اس کو توحش نہیں ہوا۔ مگر جدید معلومات نے ان الفاظ کو اور زیادہ با معنی بنا دیا ہے۔ بسیط اور لطیف خلا میں اجرامِ سماوی کی گردش کے لئے "تیرنے" سے بہتر کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی۔

د: رات اور دن کے متعلق قرآن میں ہے:

یغشی اللیل النھار یطلبہ حثیثا۔ اللہ اوڑھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا۔ (اعراف۔ ۵۴)

یہ الفاظ قدیم انسان کے لئے صرف رات دن کی ظاہری آمد و شد کو بتاتے تھے۔ مگر اس میں نہایت عمدہ اشارہ زمین کی محوری گردش کیطرف بھی موجود ہے جو جدید مشاہدے کے مطابق رات اور دن کی تبدیلی کی اصل وجہ ہے۔ یہاں میں یاد دلاؤں گا کہ روس کے پہلے خلائی مسافر نے خلا سے واپسی کے بعد اپنے جو مشاہدات بیان کئے تھے، اس میں ایک یہ بھی تھا کہ زمین کو اس نے اس شکل میں دیکھا کہ سورج کے سامنے محوری گردش کی وجہ سے اس کے اوپر اندھیرے اور اجالے کی آمد و رفت کا ایک تیز تسلسل جاری تھا۔

اس طرح کے بیانات قرآن میں کثرت سے موجود ہیں۔

دوسری مثالیں وہ ہیں جن کے متعلق پچھلے زمانے کے لوگ قطعاً کوئی معلومات نہیں رکھتے تھے۔ قرآن نے ان کا ذکر کیا۔ اور ایسی باتیں کہیں جو حیرت انگیز طور پر جدید انکشافات سے صحیح ثابت ہوتی ہیں۔ یہاں میں مختلف علمی شعبوں سے اس کی چند مثالیں پیش کروں گا۔ (باقی آئندہ)

زکوٰۃ کی شرح، قطع ید اور دیگر قرآنی احکامات کے مفہوم میں تبدیلی
ناظم تعلیمات آزاد کشمیر کے ملحدانہ خیالات

آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر مظفر آباد کے ناظم تعلیمات نے ۱۹ر جنوری سٹوڈنٹس یونین گورنمنٹ ڈگری کالج مظفر آباد کے جلسہ رسمِ حلفِ وفاداری میں ایک تقریر کی تھی اس تقریر میں انہوں نے اسلام کے بعض بنیادی اور مسلّمہ اصولوں کے بارہ میں ایسے خیالات کا اظہار کیا تھا جن کے خلاف ملک بھر میں شدید ردّعمل کا اظہار کیا گیا۔ قرآن کریم کے جن ارشادات کے بارے میں شیخ صاحب نے رائے زنی کی وہ یہ ہیں :

۱۔ زکوٰۃ کی شرح

۲۔ قطع ید کا مفہوم قرآن اور سنت کی روشنی میں

۳۔ قرآنی احکامات کے مفہوم اور معانی میں تبدیلی کے امکانات

شیخ صاحب کی تقریر سے ملک میں جو ہیجان برپا ہوا اس کی وجہ سے حکومت نے بجا طور پر موزوں فیصلہ کیا کہ اس بارہ میں دین کے مستند اور مسلّمہ علماء اور فضلاء کی رائے معلوم کی جائے۔ اس لئے حکومت آزاد کشمیر کے سیکرٹری تعلیمات جناب محمد یعقوب ہاشمی صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی خدمت میں شیخ صاحب کی مفصّل تقریر ٹیپ ریکارڈ سے نقل کروا کر بھیجی کہ آپ اس بارہ میں رائے قائم کر سکیں۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے تقریر کو ملاحظہ فرما کر حسب ذیل جواب لکھوایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ صاحب کے خیالات قرآن حکیم کے قطعی نصوص اس کے مفہومات اور صحیح اسلامی نظریات سے متصادم ہیں۔ چونکہ ناظم تعلیمات نے کھلے مجمع میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور پھر

یہ مسئلہ پریس میں بھی زیرِ بحث آچکا ہے۔ اس لئے ہم شیخ الحدیث مدظلہٗ کیطرف سے دیا گیا جواب یہاں شائع کر رہے ہیں۔

---★---

شیخ محمود احمد صاحب ناظم تعلیمات آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر مظفر آباد کی تقریر (جو انہوں نے گورنمنٹ ڈگری کالج کے جلسۂ رسم حلف وفاداری میں بتاریخ ۱۹ جنوری کی تھی) غور سے ملاحظہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ شیخ صاحب موصوف مسٹر پرویز اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے نہج پر الحاد اور تحریف دین کے دلدادہ ہیں۔ اگر انہیں اس قسم کی مجالس میں لب کشائی کے مزید مواقع فراہم کئے جائیں تو ان کی اسلام دشمنی، قرآن و حدیث میں رائے زنی فقہاء کرام اور محدثین حضرات پر طعنہ زنی کے بہت سے خفیہ عزائم کھل کر عوام کے سامنے آجائیں گے۔

تعجب ہے کہ فن طب اور ڈاکٹری کے اصول و فروع سے بے خبر شخص کو تو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ محض زبان دانی اور فن طب کی چند کتب اور تراجم کے مطالعہ کے بعد اس فن کے مسائل پر بحث کرے۔ جب تک کہ وہ مکمل نصاب طب پڑھ کر عملی امتحان میں کامیابی حاصل نہ کرے۔ اسی طرح موجودہ مروجہ قوانین کی تشریح اور ان کے مطالب و مفاہیم کو وہی متعین کر سکتا ہے جو کسی لا کالج سے فارغ التحصیل اور ماہر ہو۔ مگر شریعت، قانونِ الٰہی کو ہر ایک اپنی تحقیق کا نشانہ بناتا ہے۔ حالانکہ اسے ایمانیات، عبادات، معاملات، معاشرات، حدود و تعزیرات سے تفصیلاً علیٰ وجہ البصیرۃ واقفیت نہ ہو اور نہ ان کو دین کے ماخذ یعنی قرآنِ کریم اور احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ) میں تعمق و تحقیق کا ملکہ میسر ہو۔ اور نہ احکام منصوصہ، اسباب نزول، ناسخ و منسوخ پر اسے عبور حاصل ہو اور نہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفاسیر سے آشنا ہو اور نہ احادیث نبویہؐ پر محققانہ نگاہ رکھتا ہو۔ صرف عربی لغت کے استعداد اور چند تراجم کے مطالعہ سے وہ دینی مسائل پر بحث و تنقید شروع کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ ایسے لوگوں کو حکم ہے۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون۔ (الآیۃ) اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کیا کریں۔

انما شفاء العیّ السوال۔ (الحدیث) جہل کا علاج یہ ہے کہ اس کے بارے میں اہل علم سے مسائل دریافت کئے جائیں۔

شیخ صاحب کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی موجودہ زمانہ کے دوسرے متجددین

کی طرح دین کی تحصیل میں تراجم اور زبان دانی پہ قناعت کی ہے۔ دوسرے صناعات اور فنون ادبیہ وغیرہ علوم طبعیہ کی طرح علم دین کے لئے مستند ماہرین کا تلمذ اور اس میں بصیرت حاصل کرنے کے لئے معتدبہ وقت خرچ کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ اس لئے صاحب قرآن کے عملی اور قولی تشریح اور صحابہ کرام جن کو قرآن مجید کے مطالب و مسائل کا علم (بلاواسطہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے۔ اور تابعین ائمہ مجتہدین، مفسرین و محدثین کی بیان کردہ تشریحات سے بالاتر ہوکر زکوٰۃ کو ٹیکس بتایا۔ سرقہ کی حد میں قطع ید (ہاتھ کاٹنا) کے مفہوم کو لغت سے احسان و انعام قرار دینے لگا اور سرقہ کے مفہوم میں ہر ناجائز استحصال کو مندرج کرکے ساتھ ساتھ فقہاء کرام کے ساتھ تمسخر کرنے لگا کہ انہوں نے بلاوجہ سرقہ کے مفہوم سے کئی جزئیات مستثنیٰ کر دئے ہیں۔ آگے بڑھ کر خود اپنے آپ کو اس کا اہل قرار دیا کہ "ید" کا معنی اکرام لیا اور شریعت مطہرہ کی مقرر کردہ حد کو منسوخ سمجھا۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

شیخ صاحب کے مزعومہ معنی کو نہ تو خود رسول پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے، باوجودیکہ آپ اہل لسان تھے، اعقل البشر تھے، روئے زمین پہ بلاغت و فصاحت میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ مزید برآں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے مطالب بیان کرنے کا خود ذمہ لیا ہے:

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ۔ یقیناً ہم ہی اس قرآن کریم کی تشریح و بیان کریں گے

اور اسی طرح شیخ صاحب کے بیان کردہ معنی سے یہ حقیقت ظاہر ہوگئی ہے کہ ان کے خیال میں صحابہ کرام نے بھی یہ معنی نہیں سمجھے ورنہ مخزومیہ کے معاملے میں حضرت اسامہ بن زید کو سفارشی بنا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہ بھیجتے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو عتاب آمیز خطاب فرما کر یہ حقیقت واضح کر دی۔ حَدٌّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰه - کہ حدود اللہ میں سفارش کی کوئی گنجائش نہیں اور اس میں رد و بدل کا کوئی مجاز نہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ بھی عبادت ہے نہ کہ ٹیکس۔ جس طرح کہ نماز، روزہ حج عبادات اور حقوق اللہ ہیں۔ کوئی انسان کسی کو نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ معاف نہیں کر سکتا۔ اگر ان امور میں صاحب رسالت یا حکومت یا اور کسی کا حق ہوتا تو جسطرح ایک انسان دوسرے حقوق العباد میں اپنے حق سے دست بردار ہوسکتا ہے اور اپنے حق کو معاف کر سکتا ہے تو یہ نماز، روزہ وغیرہ بھی انسان کیطرف سے قابل معافی ہوتے تو جسطرح نماز کی رکعات اور اوقات میں کسی کو کمی بیشی، رد و بدل کا حق حاصل نہیں اسی طرح زکوٰۃ کے مقادیر میں کمی بیشی کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ شیخ صاحب نے اپنی تقریر میں کہا ہے۔ "بدقسمتی سے ہم نے زکوٰۃ کے تصور کو مرور ایام کے

ساتھ ترقی نہیں دی، زکوٰۃ کا حکم قرآن میں بیسیوں جگہ موجود ہے۔ شرح زکوٰۃ کہیں بیان نہیں ہوئی۔ اس میں اللہ پاک کی بہت بڑی حکمت تھی۔ کیونکہ اصول زکوٰۃ غیر متبدل چیز تھی اس کا تو حکم دے دیا گیا۔ شرحِ زکوٰۃ کوئی ایسی ہو ہی نہیں سکتی تھی جو غیر متبدل نہ ہو۔ اس لئے شرح زکوٰۃ بیان نہ ہوئی کیونکہ مرورِ ایام کے ساتھ حالات کے ساتھ، زمانے کے ساتھ، مختلف ماحول میں مختلف شرحیں رکھنی پڑتی ہیں۔"

مذکورہ بالا شیخ صاحب کی تقریر کا متن ہے۔ اب آپ ذرا مسٹر پرویز کی نام نہاد اسلامی تحقیق کو دیکھئے۔ پرویز اپنی کتاب "قرآنی فیصلے" کے صفحہ ۲۵ میں رقمطراز ہے:

"زکوٰۃ اس ٹیکس سے علاوہ اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں ہے، اس لئے کہ شرح ٹیکس کا انحصار ضروریاتِ ملّی پر ہے۔ حتیٰ کہ ہنگامی صورتوں میں حکومت وہ سب کچھ وصول کر سکتی ہے جو کسی کی ضرورت سے زائد ہو۔"

مسٹر پرویز اسی کتاب کے صفحہ ۱۲ میں لکھتا ہے:

"زکوٰۃ یعنی حکومت کے ٹیکس کی شرح میں تغیر و تبدّل کی ضرورت ایک ایسی حقیقت ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں آتی۔"

ان عبارات سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ صاحب درحقیقت مسٹر پرویز کے افکار کے ترجمان ہیں اور دونوں کا مبلغ علم ایک جیسا ہے۔

شیخ صاحب کا استدلال اور اس کا مختصر جواب

شیخ صاحب نے وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔ سے استدلال کیا ہے یعنی ضرورت سے زائد تمام مال کو خرچ کرو اس کے متعلق واضح رہے کہ ماہرینِ قرآن و تفسیر نے اس کو خیر و خیرات پر محمول کیا ہے۔ اور ابن عباسؓ نے اسکو منسوخ کہا ہے۔ "رواہ ابن ابی حاتم"

لیکن زکوٰۃ پر اس کو کسی نے محمول نہیں کیا اور اصولی طور سے یہ صحیح بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر قرآنِ کریم کا یہ مطلب ہوتا کہ ضرورت سے زائد مال کو وجوبی طور سے خرچ کیا جائے گا۔۔ تو پیغمبر علیہ السلام کا ڈھائی فیصد اور دیگر متعدد اجناس کے مختلف مقادیر زکوٰۃ مقرر کرنا قرآن سے تصادم اور مخالفت ہوتا۔۔۔ اور یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے ایک محکم اور دائمی حکم کے مقابلہ میں ایک متضاد حکم نافذ کریں۔ اس کے بعد شیخ صاحب فرماتے ہیں:

"کہ حضور نے اپنے زمانے میں اپنے ماحول کے مطابق کچھ شرحیں مقرر کی تھیں

لیکن حضرت عمرؓ جن کی خلافت میں، اور رسول پاکؐ کے زمانے میں صرف اڑھائی سال حضرت ابوبکرؓ کی خلافت آتی ہے، انہوں نے اپنے زمانے میں گھوڑوں پر زکوٰۃ کی شرح عائد کی جو کہ حضورؐ نے عائد نہیں کی۔ مال تجارت پر انہوں نے شرح زکوٰۃ لگائی جو کہ حضورؐ نے نہیں لگائی جس کا مطلب یہ ہے کہ عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ زکوٰۃ جو ہے اسکی شرح ایک متبدل چیز ہے۔"

اس کے متعلق واضح رہے کہ گھوڑوں اور مال تجارت میں زکوٰۃ حضورؐ نے خود لگائی ہے۔ بیشک عامل کی وصولی غیر مصرح ہے:

روی الدارقطنی مرفوعاً فی کل فرس سائمۃ دینار او عشرۃ دراھم وروی ابو داؤد عن سمرۃ بن جندب ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یامرنا ان نخرج الصدقۃ من الذی نعد للبیع۔

دارقطنی مرفوع روایت بیان کی ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک گھوڑے میں (جو سال کے بیشتر حصہ میں چرنے پر گذارہ کرتا ہو۔) ایک دینار زکوٰۃ لازم ہے۔ ابو داؤد شریف نے بھی بروایت سمرہ بن جندب آنحضرتؐ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ ہمیں ان گھوڑوں سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیتے جو تجارت کیلئے ہوتا۔

نیز یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ حضرت عمرؓ نے جس نوعیت سے زکوٰۃ کی وصولی عائد کی تھی وہ کسی ضرورت پر مبنی نہیں تھی۔ لہذا شیخ صاحب کا استدلال غلط ہے۔ بلکہ واقعہ یوں ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ اہل شام اصرار کر رہے ہیں کہ ہم سے گھوڑوں کی زکوٰۃ بھی وصول کریں تو حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کے بعد لکھا۔ اِنْ اَحَبُّوْا فَخُذْهَا مِنْهُمْ۔ یعنی اگر اپنی مرضی سے کوئی دیوے تو وصول کیا کریں۔ (کتاب الاموال لابی عبید ص ۴۶۵)

شیخ صاحب کہتے ہیں:

"اور حضرت علیؓ نے جو فرمایا ہے کہ اگر کسی معاشرے میں احتیاج باقی ہو تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہاں زکوٰۃ نہیں دی جا رہی۔"

—— تو حضرت علیؓ کی اس عبارت سے ہر صاحب غرض اپنے منشاء اور غرض کے مطابق استدلال کرے گا۔ بعض کہیں گے کہ اس میں اشتراکیت کیطرف لطیف اشارات ہیں کہ یہ سرمایہ دار جب غریبوں

کے حقوق ادا نہیں کرتے، لہٰذا ان غریبوں اور مزدور طبقہ کی داد رسی کرنی چاہیئے۔ اور کوئی کہے گا کہ اس میں سرمایہ داری کیطرف اشارہ ہے کہ سرمایہ زیادہ سے زیادہ جمع کرنا چاہیئے، تاکہ احتیاج ختم ہو جائے۔ اور کوئی کہے گا کہ شرح زکوٰۃ کے غیر متبدل ہونے کی طرف اشارہ ہے مگر حقیقت صرف یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ نہ دینے پر دنیوی وبال کیطرف اشارہ ہے جیساکہ ابن عباسؓ سے مروی ہے:

ماظهر الغلول فی قوم الا القی الله فی قلوبهم الرعب ولا فشا الزنا فی قوم الاکثر فیهم الموت ولا نقص قوم المکیال والمیزان الاقطع عنهم الرزق ولا حکم بغیر حق الا فشا فیهم الدم ولا ختر قوم بالعهد الاسلط علیهم الیهود۔ (رواه مالک)

کسی قوم میں جب خیانت کی بیماری پھیل جائے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے اور جب کسی قوم میں زنا کا مرض پیدا ہو جائے تو ان میں موت وہلاکت زیادہ کر دیتا ہے اور جو لوگ تول ماپ میں کمی کرتے ہیں ان پر رزق کی تنگی کا وبال نازل فرماتا ہے۔ اور جو لوگ ناجائز فیصلے کرتے ہیں ان پر خونریزی کا عذاب مسلط کر دیتا ہے اور جو قوم عہد شکنی کرتی ہے تو ان پر یہود مسلط کر دیتا ہے۔

قطع ید کے مفہوم میں تحریف | شیخ صاحب نے چور کے ہاتھ کاٹنے سے مراد اس پر احسانات وغیرہ بند کرنا لیا ہے۔ لیکن صرف ید کا اطلاق اگرچہ احسان پر آتا ہے، مگر قطع ید کا معنی لغت عربی میں ہاتھ کاٹنا ہے اور اسی معنی کو پیغمبر علیہ السلام نے مراد لیکر چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے:

عن عائشةؓ ان قریشاً اهمهم شان المرأة المخزومية التی سرقت فقالوا من یکلم فیها رسول اللهؐ فقالوا ومن یجترئ علیه الا اسامة حِبُّ رسول الله صلعم فکلمه اسامة فقال رسول اللهؐ اتشفع فی حد من حدود الله ثم قام فاختطب فقال یا ایها الناس انما هلك الذین قبلکم انهم

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ قریش کو قبیلہ مخزومی کی ایک عورت سے چوری کے فعل نے پریشان کر دیا۔ قریش نے باہمی مشورہ کیا کہ اس عورت کو ہاتھ کاٹنے کی سزا سے بچانے کے لئے حضورؐ کی خدمت میں سفارش کرنی چاہیئے۔ سب نے حضرت اسامہؓ کو منتخب کیا کیونکہ وہ آنحضرتؐ کے محبوب تھے، تو حضرت اسامہؓ نے جب سفارش کی تو بارگاہ رسالت سے جواب ملا

كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد وايم الله لوان فاطمة بنت محمدؐ سرقت لقطعت يدها۔

کہ تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو پھر حضور اکرمؐ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا کہ پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا تو اسے چھوڑتے اور جب کوئی نادار چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ (خدانخواستہ) چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کو کاٹتا۔

اسی طرح خلفاء راشدین نے اپنے زمانہ خلافت میں چوروں کے ہاتھ کاٹنے کے احکامات صادر فرمائے ہیں۔ اور قطع ید سے تمام محدثین۔ ائمہ اربعہ۔ فقہاء کرام اور تمام کے تمام ماہرین قانون اسلامی نے ہاتھ کاٹنا مراد لیا ہے نہ کہ احسان واکرام۔ لہذا شیخ صاحب نے قطعی طور پر قرآن مجید میں جرم تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔

مفہوم قرآن میں تبدیلی۔؟ قرآنی احکام کے مفہوم میں تبدیلی درحقیقت تحریف ہے۔ ظاہر ہے کہ الفاظ قرآن سے جو معانی ارادہ کئے گئے ہیں۔ درایۃً یا روایۃً۔ تفسیراً یا تاویلاً درست نہیں قرآن مجید کے الفاظ سے ایسا معنی مراد لینا کہ نہ تفسیر ہو نہ تاویل نہ درایت سے حاصل ہو نہ روایت سے تو اسکو تحریف معنوی کہتے ہیں۔

وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله ثم يحرفونه من بعد ما عقلوه وهم يعلمون فويل للذين يكتبون الكتاب بايديهم ثم يقولون هذا من عند الله۔ (الآية)

اور یہود میں ایک گروہ ایسا تھا کہ وہ تورات سن سن کر اس میں تحریف وتبدیلی کرنے لگتا حالانکہ وہ اس کے صحیح مفہوم کو سمجھ چکے ہوتے۔ پھر ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنی خود نوشت باتوں کو خدا کیطرف منسوب کرتے ہیں۔

اور الفاظ کے معانی کو تبدیل کرنے سے احکام بدلتے ہیں اور شارع کی اجازت کے بغیر کسی حکم شرعی کو بدلنا نئی تشریع ہے۔ گویا بدلنے والے خود مقنن (قانون ساز) ہیں — تو یہ قانون الٰہی نہ ہوا بلکہ انسانی قانون ہوا۔

قل ما يكون لي ان ابدله من تلقاء نفسي ان اتبع الا ما يوحى الي۔ آنحضرت کو خطاب ہے کہ

آپ ان کو بتا دیجئے کہ مجھے بھی اس کتاب میں اپنی طرف سے تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں میں تو صرف وحی الٰہی کا تابع ہوں۔

مزید برآں اگر اس کا مراد وہ ہوتا تو فاقطعوا ایدیکم عنہا۔ فرمانا ضروری ہوتا یعنی اپنے احسانات ان پر بند کر دو۔ بہر حال آیت مذکورہ حد سرقہ میں از روئے شرع محکم ہے۔ اس میں تاویل کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اور تاویل کرنا درحقیقت الحاد ہے، پس جسطرح دین اسلام کے مسلمات اور قرآنی کلمات اور شرعی اصطلاحات میں نئی نئی تعبیر کا فتنہ سب سے پہلے باطنیہ اور قرامطہ نے برپا کیا اور امت نے بالاتفاق ان کو کافر خارج از اسلام قرار دیا۔ تو اسی طرح دیگر متجددین کا نئی ضرورتوں کے مطابق نئی معانی پیدا کرنے والوں کے ایسے نظریات ملحدانہ اور کافرانہ ہیں۔ ❁ ❁

انتخاب از جناب محمد اقبال قریشی ھارون آبادی

قسط ۲

امامِ ربّانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

کے

علوم و معارف

بروایت حکیم الامت مولانا تھانویؒ

۲۳۔ فرمایا حضرت مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو امام صاحبؒ کا مذہب حدیثوں میں ایسا روشن نظر آتا ہے جیسا کہ نصف النہار میں آفتاب۔ بات یہ ہے، معرفت کے لئے فہم کی ضرورت ہے۔ بدفہم لوگ شب و روز معترض رہتے ہیں۔ بینائی تو اپنی خراب اور آفتاب پر اعتراض (الاضافات الیومیہ من الافادات القومیہ ج ۴ صـ ۴۰)

۲۴۔ فرمایا: ایک گاؤں والے نے جو دیندار تھا اور بے تکلف حضرت مولانا گنگوہیؒ کو پاؤں دبواتے ہوئے دیکھا کہنے لگا مولوی جی! جی تو بڑا خوش ہوتا ہوگا کہ میں پاؤں دبوا رہا ہوں فرمایا کہ ہاں خوش تو ہوتا ہے مگر نہ اس وجہ سے کہ میں بڑا ہوں بلکہ راحت کی وجہ سے۔ تو وہ کہتا ہے کہ بس تو تم کو پاؤں دبوانا جائز ہے۔ کیا ٹھکانہ ہے اس فہم کا۔ کہاں نظر پہنچی۔ آجکل تو مشائخ کی بھی ان دقائق پر نظر نہیں۔ (الاضافات الیومیہ ج ۳ صـ ۴۹، صـ ۲۴۴ ج ۲ صـ ۲۲۵ صـ ۲۷۰)

۲۵۔ فرمایا: میں ہر کام میں ہر بات میں احتیاط کا پہلو اختیار کرتا ہوں۔ مجھ کو اس پر وہمی کہا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے میری شکایت کی گئی کہ یہ جلسہ میں آکر مدرسہ کی رقم سے کھانا نہیں کھاتا۔ حضرت مولاناؒ نے مجھ سے سوال کیا۔ میں نے صاف عرض کر دیا کہ مجھ کو اس کے جواز میں شبہ ہے۔ حضرتؒ نے کچھ نہیں فرمایا۔ ایک شخص نے میرا وعظ سن کر سو روپے چندہ بلقان میں دیئے اور انجمن ہلال احمر میں داخل کئے گئے اور احمق نے مجھ سے تقاضا کیا کہ قسطنطنیہ سے اسکی مستقل رسید منگا دو ورنہ میرا روپیہ واپس دو۔ میں نے قطع شغب کیلئے اپنے پاس سے روپیہ دے دیا۔ ایک مولوی صاحب نے یہ سن کر مجھ سے فرمایا کہ اپنے پاس سے کیوں دیئے تمہاری معرفت جو چندہ بلقان جمع ہوتا اس میں سے سو روپے رکھ لئے ہوتے اور تاویل یہ کی کہ خاص اسکی دی

ہوئی رقم تو واپس کر دینا جائز ہی تھا۔ اور وہ رقم اور دوسرے چندہ کی رقم سب ایک ہی حکم میں ہیں۔ کیا ٹھکانا ہے اس بد احتیاطی کا، نفسانی غرض کا جب غلبہ ہوتا ہے ایسی ہی باتیں سوجھتی ہیں، میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ اموال کے باب میں اکثر اہل علم کو بھی احتیاط نہیں الا ماشاء اللہ اور عوام تو کیا ہوتی۔ (الاضافات الیومیہ ج ۳ ص ۹۸)

۲۶۔ فرمایا: ایک مرتبہ میں گنگوہ حاضر ہوا حضرتؒ کی شفقت کی یہ حالت تھی۔ یہ فرمایا کہ جب تم آجاتے ہو دل تازہ ہو جاتا ہے۔ میں نے واپسی کی اجازت چاہی کہ حضرت جاؤں گا۔ فرمایا کہ اتنی جلدی۔ میں نے کہا کہ کپڑے میلے ہو گئے ہیں زیادہ ٹھہرنے کے ارادہ سے نہیں آیا تھا۔ فرمایا کہ کپڑے تو ہم دے دیں گے۔ میں نے عرض کیا حضرتؒ اور بھی کام ہے۔ پھر حضرتؒ نے کچھ نہیں فرمایا۔ حضرتؒ کے کپڑے پہننے کو بھی جی نہیں چاہا۔ بے ادبی معلوم ہوتی (الاضافات الیومیہ ج ۳ ص ۲۰۱)

اس ملفوظ سے معلوم ہوا کہ حضرت گنگوہیؒ حضرت حکیم الامتؒ پر کتنی شفقت فرماتے تھے۔ اور حضرت حکیم الامتؒ حضرت گنگوہیؒ کا کتنا ادب کرتے تھے۔

۲۷۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ واقعی حضرتؒ اپنے وقت میں اس فن کے مجتہد تھے اسکے ساتھ ہی حضرت میں انتظامی شان بھی تھی۔ خصوص شریعت کی حفاظت میں ایک مرتبہ امیر شاہ خانصاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کے ایک فتویٰ کے متعلق جس میں کچھ توسع فرمایا گیا تھا۔ حضرتؒ کو ایک خط لکھ مارا کہ جب آپ حضرات ایسی باتوں کو جائز کہیں گے تو بدعتی نہ معلوم کہاں پہنچ جائیں گے۔ لکھنے کو تو لکھ گئے مگر اس کے بعد تنبیہ ہوئی کہ ایسا لکھنا سوء ادب ہے۔ دوسرا خط لکھا کہ ایک خط ایسی بے ادبی کا لکھ چکا ہوں اور نادم ہوں امید ہے کہ احقر کو معاف فرمائیں گے۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ امیر شاہ خانصاحبؒ مجھے حیرت ہے کہ اظہار حق کے بعد ندامت۔ مجھ کو تو جیسے پہلے خط سے خوشی ہوئی تھی۔ دوسرے سے اتنا ہی رنج ہوا۔ یہ تھی ان حضرات کی شان حفاظت شریعت کی۔ (الاضافات الیومیہ ج ۳ ص ۲۱۷)

۲۸۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دجّال کے ظہور کے وقت جو ایک سال کا دن ہوگا کیا حقیقت میں وہ ایک دن ہوگا۔ فرمایا کہ وہ ایک دن نہ ہوگا۔ تین سو ساٹھ ہی دن ہو گئے مگر وہ   میں تصرف کرے گا۔ اور جہاں اس کا تصرّف نہ پہنچے گا، وہاں یہ اثر نہ ہوگا۔ یہ تحقیق مشہور نہیں مگر ایک حدیث سے مستنبط ہوتی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے۔ فَيَفْتَحُوْنَ قُسْطَنْطِنِيَّةَ فَبَيْنَا هُمْ يَقْتَسِمُوْنَ الْغَنَائِمَ اِذْ صَاحَ فِيهِمُ الشَّيْطَانُ اَنَّ الْمَسِيحَ قَدْ خَلَفَكُمْ

فِيْ اَهْلِيْكُمْ فَيَخْرُجُوْنَ وَذٰلِكَ بَاطِلٌ فَاِذَا جَاءَ الشَّامَ خَرَجَ (رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ الفصل الاول من باب الملاحم) (یعنی مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کریں گے اور اس حال میں کہ مسلمان مالِ غنیمت کو تقسیم کر رہے ہوں گے۔ شیطان چیخے گا کہ دجّال نے تمہارے اہل وعیال پر حملہ کر دیا ہے اور یہ بات غلط ہوگی۔ پھر جب مسلمان شام میں آویں گے دجّال نکل آوے گا۔)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خبر غلط ہوگی مگر اس کے غلط ہونے پر شام پہنچنے تک اس سے استدلال نہ کر سکیں گے کہ دن تو طویل ہوا ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ مستمعین بھی سمجھیں گے کہ اس کا تصرف عام نہ ہوگا تو ممکن ہے کہ خروج کی خبر صحیح ہو مگر ہم پر اس تصرف کا اثر نہ ہوا ہو۔ میں نے سنا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے یہ تقریر فرمائی تھی۔ (الاضافات الیومیہ ج ۳ ص ۲۲۳)

۲۹۔ فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے انتقال پر فرمایا تھا، جس سے حضرتؒ کا عشق معلوم ہوتا ہے کہ اگر میرے پاس ایک چیز نہ ہوتی تو میں ہلاک ہو جاتا۔ دریافت کیا گیا حضرتؒ وہ کیا چیز ہے۔ فرمایا وہی چیز جسکی وجہ سے تم مجھ کو بڑا سمجھتے ہو۔ میں اس سے یہ سمجھا کہ اس سے مراد تعلق مع اللہ ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۲۲۶)

۳۰۔ فرمایا: مولانا اسمٰعیل شہیدؒ حب عقلی کو افضل فرماتے تھے اور حضرت حاجی صاحبؒ حب عشقی کو اور حضرت مولانا گنگوہیؒ نے خوب تطبیق دی ہے مجھ کو تو وجد ہو گیا کہ حیات میں تو حب عقلی افضل ہے۔ اور مرنے کے وقت حب عشقی۔ (الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۲۲۶)

۳۱۔ فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے یہاں اپنے اور بزرگوں سے زیادہ انتظام تھا۔ اس انتظام کا نام معترضین نے آجکل قانون رکھا ہے اور قانون حکومت سے تشبیہہ دے کر طعن کیا کرتے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۲۴۶)

۳۲۔ فرمایا آجکل دوستی کا نام ہی نام رہ گیا ہے ورنہ حقیقت تو قریب قریب مفقود ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی مجلس میں حافظ محمد احمد صاحبؒ اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحبؒ حاضر تھے جنکی دوستی مشہور و معروف تھی۔ حضرتؒ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کبھی تم میں اور ان میں بے لطفی یا لڑائی بھی ہوتی ہے۔ عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھی ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ یہ دوستی پائدار ہے درخت وہ مستحکم ہوتا ہے کہ جس پر آندھی آ چکی ہو پھر اپنی جڑوں کو نہ چھوڑا ہو۔ بس دوستی بھی وہی ہے کہ باہم لڑائی بھی ہو جائے اور پھر تعلقات باقی رہیں۔ (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۳۱۴)

۳۳۔ فرمایا: ایک شخص نے مجھ سے شکایت کی کہ ذکر میں جو مزہ پہلے آتا تھا، اب نہیں آتا۔

میں نے کہا کہ میاں مزہ تو مزی میں ہے یہاں کہاں مزہ ڈھونڈھتے پھرتے ہو جیسے مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ نے ایسی شکایت کے جواب میں فرمایا تھا کہ تم کو خبر نہیں پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے، مطلب یہ کہ اوّل شوق کا غلبہ ہوتا ہے۔ پھر انس کا اور مزہ شوق میں زیادہ ہو جاتا ہے۔ خواجہ صاحب (عارف باللہ حضرت مولانا عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ) نے عرض کیا حضرت سنا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک مثال فرمائی ہے کورے بدھنے کی کہ اوّل جس وقت اس میں پانی بھرا جاتا ہے تو بڑا شور سا ہوتا ہے اور بعد میں پرانا ہو جاتا ہے اور پرانے پر وہ شور نہیں ہوتا بلکہ سکون کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے رگ وریشہ میں پانی سرایت کر چکا ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا واقعی عجیب مثال ہے، عارفین کو حسن تمثیل حضرات انبیاء علیہم السلام سے عطا ہوتی ہے۔ قاضی بیضاویؒ نے بھی لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور حکماء کی باتوں میں مثالیں بہت ہوتی ہیں۔ وہ حقائق کے تطابق پر اور محسوسات سے معانی کی توضیح پر قادر ہوتے ہیں۔ ان کو ایک نور عطا ہوتا ہے، جس سے ان کو حقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۱۱)

۳۴۔ فرمایا: طالب علمی کے زمانہ میں کسی دوسری طرف متوجہ ہونا تعلیم کو برباد کرنا ہے۔ طالب علم کے لئے جمعیت قلب اور یکسوئی ضروری ہے اس کے برباد ہونے سے تعلیم برباد ہو جاتی ہے۔ میں نے زمانہ طالب علمی میں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت ہونے کی درخواست کی تھی۔ اس پر حضرتؒ نے یہ فرمایا تھا کہ جب تک کتابیں ختم نہ ہو جائیں اس خیال کو شیطانی خیال سمجھنا۔ واقعی یہ حضرات بڑے حکیم ہیں۔ کیسی عجیب بات فرمائی۔ ایک وقت میں قلب دو طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ پس ضروری کو غیر ضروری پر ترجیح دینا چاہیئے اور طالب علمی ضروری ہے اور بیعت ضروری نہیں۔ (الاضافات الیومیہ ج ۲ ص ۳۴)

۳۵۔ فرمایا کہ نماز تو حضرت مولانا گنگوہیؒ پڑھاتے تھے ایسی ہلکی پھلکی کہ ذرہ برابر مقتدیوں پر گرانی نہ ہو۔ حضرتؒ تو صبح کی نماز میں اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور سورہ بروج پڑھا کرتے تھے۔ ضرورت ہے اس کی کہ لوگوں کی راحت کا خیال رکھا جائے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۴۲)

حضرت حکیم الامتؒ نے اسی ملفوظ میں علماء عیدین اور جمعہ کے خطبے لمبے پڑھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ لمبے خطبے پڑھنے کا سبب یہ ہے کہ لوگ سمجھیں گے کہ بڑا عالم ہے۔ اس مرض کا نام حب جاہ ہے۔

۳۶۔ فرمایا: مخارج تو مسوڑھوں سے بھی ادا ہو سکتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے دانت

نہ رہے تھے مگر قرآن شریف پڑھنے کے وقت یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے دانت نہیں ہیں۔ عمر اسی سال کی تھی۔ ایک صاحب نے حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا تھا کہ حضرت دانت بنوا لیجئے۔ فرمایا کیا ہو گا دانت بنوا کر۔ پھر بوٹیاں چبانی پڑیں گی۔ اب تو دانت نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو رحم آتا ہے۔ نرم نرم حلوہ کھانے کو ملتا ہے۔ حضرت بڑے ہی ظریف تھے۔ (الافاضات الیومیہ ج۲ ص۹۶)

۳۷۔ فرمایا: کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک ذاکر کے اس شبہ پر کہ اس (جہر) میں ریا ہے۔ یہ جواب فرمایا تھا کہ ذکر جہر میں تو سب دیکھ رہے ہیں کہ اللہ اللہ کر رہے ہیں اور ذکر خفی میں گردن جھکائے بیٹھے ہیں۔ دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ نہ معلوم لوح و قلم عرش و کرسی کی سیر کر رہے ہیں۔ تو اس حساب سے ذکر خفی میں ذکر جہر سے زیادہ ریا ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج۲ ص۱۱۲)

۳۸۔ فرمایا: حضرت مولانا گنگوہیؒ سے کسی شخص نے کہا تھا کہ اگر حضرت بیت اللہ تشریف لے جائیں تو سفر خرچ کے لئے کل روپیہ میں دوں گا۔ سن کر فرمایا دیکھو تو کیسی اچھی بات ہے ایک تو بیت اللہ کی زیارت اور دوسرے حضرت حاجی صاحبؒ سے ملاقات مگر کچھ حالت ایسی ہو گئی ہے کہ طبیعت میں جانا نہ جانا دونوں برابر معلوم ہوتے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ج۲ ص۱۲۰)

۳۹۔ فرمایا: بزرگوں کی توجہ اور عنایت بڑی دولت ہے اسکی قدر کرنا چاہئے، میں تو اپنے متعلق عرض کرتا ہوں کہ جو کچھ بھی ہے سب اپنے بزرگوں کی نظر اور توجہ کی برکت ہے۔ یہاں پر جو مدرسہ ہے کوئی مستقل اسکی آمدنی نہیں۔ شان و شوکت نہیں مگر حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ یہاں کی نسبت فرمایا تھا کہ بنیائی نہیں رہی ورنہ ایک مرتبہ تھانہ بھون جا کر دیکھتا ——— ۔ (الافاضات الیومیہ ج۲ ص۱۳۴)

۴۰۔ فرمایا: ایک صاحب نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کو تنہا بیٹھے ہوئے دیکھا تو ادائے حق کیلئے کچھ گفتگو کرنا چاہی اور یہ گفتگو کی کہ حضرت وہ چھوٹی چھوٹی باتیں کونسی ہیں جن سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرتؒ نے مزاحاً فرمایا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے انبیٹھ والوں کا نکاح ٹوٹ جاتا ہو گا ہمارا نہیں ٹوٹتا۔ کہنے لگے یہ ہی کفر و شرک کی باتیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت کفر و شرک کی باتیں تو چھوٹی ہو گئیں۔ پھر بڑی کونسی باتیں ہوں گی۔ شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئے۔ (الافاضات الیومیہ ج۲ ص۱۹۸)

۴۱۔ فرمایا: ایک اور حکایت حضرت مولانا گنگوہیؒ نے نقل فرمائی، گنگوہ میں ایک بے قید درویش آیا۔ شہرت ہوئی۔ ایک آوارہ عورت کو بھی معلوم ہوا۔ اس نے اپنے آشنا سے کہا کہ چلو ہم بھی اللہ والے کی زیارت کر آئیں۔ دونوں گئے۔ مرد تو جا کر شاہ صاحب کے پاس بیٹھ گیا اور یہ عورت

بوجہ شرمندگی ایک طرف بیٹھ گئی۔ شاہ صاحب نے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ بازاری عورت ہے۔ آپ کی زیارت کو آئی ہے، مگر بوجہ اس پیشہ کے شرمندگی کے سبب پاس آنے سے رکتی ہے، وہ شاہ صاحب کیا کہتے ہیں کہ بی پاس آجاؤ جی۔ شرمندگی کی کونسی بات ہے وہی کرتا ہے وہی کراتا ہے (نعوذ باللہ) یہ الفاظ سن کر اس عورت کے سر سے پیر تک آگ لگ گئی اور کھڑی ہو گئی اور اس آشنا یعنی اپنے ساتھی سے کہا کہ بھڑوے تو تو اسکو بزرگ تبلاتا تھا۔ یہ تو مسلمان بھی نہیں۔ یہ کہہ کر وہاں سے چل دی۔ میں کہتا ہوں کہ ان الفاظ سے اس حقیقت تک کسی مفتی کا ذہن تو پہنچ سکتا تھا۔ مگر بے چاری جاہل نے کیسا سمجھا۔ یہ فہم کی بات ہے اور اس میں فہم تو تھا ہی، بغض فی اللہ کس درجہ تھا کہ بیٹھ نہ سکی۔ خاموش نہ رہ سکی، چل دی۔ بھلا ان واقعات سے کیا کوئی کسی کی تحقیر کر سکتا ہے یا حقیر سمجھ سکتا ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۲۰۱)

۴۲۔ فرمایا: ایک بی بی تین مرتبہ آچکی ہیں اور تینوں دفعہ محروم گئیں۔ سمجھتی ہوں گی کہ اس سے زیادہ کوئی سخت نہیں، اور آج سلیقہ سے آنا ہوا۔ سب دفعہ کی کلفت جاتی رہی، اب کہتی ہوں گی کہ اس سے زیادہ کوئی نرم نہیں۔ حالانکہ نہ میں سخت ہوں نہ نرم۔ میں تو اصول کے ماتحت کام کرتا ہوں۔ یہ ہی دوسروں سے چاہتا ہوں۔ باقی کسی کا اصول اور سلیقہ سے کام کرنے کا قصد نہ ہو۔ اسکی تو فصد ہی لی جائے گی۔ یہی ناگوار ہوتا ہے۔ کیونکہ مذاق وہ ہو رہا ہے جیسا حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ کسی گرو کے پاس ایک شخص گیا کہ چیلا بنا لو۔ گرو نے کہا چیلا بننا بڑا مشکل ہے تو کہتا ہے گرو ہی بنا لو۔ یہ لوگ گرو بننے ہی آتے ہیں۔ سو میں بھی گرو بنا کر ہی بھیجتا ہوں۔ میرے یہاں ان سب شرائط اور صورتوں کا مشترک مقصد حصول مناسبت ہے۔ ان سب تدابیر سے مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور اسی سے اذیت ہوتی ہے کہ یہ اپنے منصب کے خلاف کر رہا ہے۔ محروم رہے گا۔ (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۲۰۵)

۴۳۔ فرمایا: حضرت عمر فاروقؓ نے ایک قانون مقرر کر کے کیا اچھا انتظام کیا تھا کہ سارے ملک کو درسگاہ بنا دیا تھا وہ یہ کہ انہوں نے حکم دیا تھا کہ بازار میں بجز ایسے شخص کے کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں جو مسائل فقیہہ جانتا ہو۔ مطلب یہ تھا کہ جو خریدار ان سے مقابلہ کریں گے ان کو بھی مسائل سے آگاہی ہو جائے گی اس طرح سے بلا مشقت تمام ملک مدرسہ ہو جائے گا، سو وہ تو سارے ملک کو مدرسہ بنانا چاہتے تھے اور آج کل بقول مولانا رشید احمدؒ مولویوں میں یہ کمی ہو گئی ہے کہ پڑھ کر یا تو دنیا میں مشغول ہو جاتے ہیں یا ذکر و شغل میں درس و تدریس چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ تو وہ اپنے مقام کو

بھی مدرسہ نہیں بناتے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۲۲۱) احقر نے تو اکثر کی یہ حالت دیکھی ہے کہ جو کچھ پڑھتے ہیں مدرسہ ہی میں چھوڑ آتے ہیں۔ دوسروں کی تو کیا خود اپنی اور اپنے گھر والوں بیوی بچوں کی بھی اصلاح نہیں کرتے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا ۔۔۔ اور کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

(باقی آئندہ)

مرحوم مشاہیر کے خطوط

بنام شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

تبرکات و نوادر

از شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین[1] صاحب غورغشتی مرحوم

جناب مکرمی ومحترمی مہتمم دارالعلوم حقانیہ مولانا عبدالحق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' ۔ واضح ہو کہ یہاں بفضل خداوندکریم خیریت ہے اور خیریت آپ کا خداوندکریم سے مطلوب ہے۔ نوازش نامہ آپ کا پہنچا، کیفیت مندرجہ سے آگاہی ہوئی۔ جلسہ آپ کا سخت گرمی کے موسم میں ہوگا۔ اور میری صحت بھی اچھی نہیں ہے۔ روٹی بھی پرہیزی کھاتا ہوں۔ وہاں جلسہ میں اژدحام بہت ہوگا۔ آپ ناراض نہ ہوں اور مجھے معافی دیویں، پھر کسی موقعہ پر معتدل موسم میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت میں آپ کے مدرسہ میں حاضر ہوں گا۔

(۵ر جون ۱۹۵۲ء)

---

[1] اپنے وقت کے شیخ کامل، عارف باللہ، امام المحدثین، نمونۂ سلف، پیکرِ اخلاص وتقویٰ شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی قدس اللہ سرہٗ العزیز، پون صدی تک علوم حدیث کی درس وتدریس بلا کسی مزد ولالچ محبوب مشغلہ رہا، تقویٰ، اخلاص، سادگی اور معصومیت میں اسلاف کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ وجود باجود ——— ارشاد نبوی ——— اذا رءوا ذکر اللہ۔ کا مصداق تھا۔ مشکوٰۃ شریف کی نہایت حکیمانہ اور محققانہ شرح فقہ حنفی کے رنگ میں لکھی۔ گذشتہ سال سو سال سے متجاوز عمر میں وصال فرمایا۔ مکتوب الیہ اور دارالعلوم حقانیہ سے خاص تعلق خاطر رہا۔ بالالتزام دارالعلوم کے دستار بندی جلسوں کی افتتاحی نشست کی صدارت فرماتے رہے اور جلسوں کے علاوہ بھی بارہا دارالعلوم کو اپنی تشریف آوری سے نوازتے رہے۔ اپنے وقت کے اس شیخ کل کی سرپرستی اور خصوصی عنایات پر دارالعلوم کو ناز رہا۔ یہ خطوط عموماً جلسوں میں شمولیت کی دعوت کے سلسلہ میں لکھے گئے ہیں اور غالباً شیخ الحدیث مرحوم کے دیگر تحریرات کی طرح املائی ہیں۔ افسوس کہ اس وقت بے شمار خطوط میں سے یہ چند ہی دستیاب ہو سکے۔ (س)

مکرمی و محترمی حضرت مولانا عبدالحق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، - واضح ہو کہ خط آپ کا پہنچا۔ کیفیت مندرجہ سے آگاہی ہوئی
محترما! آپ نے جلسہ بہت سخت گرمی کے موقع میں مقرر کیا ہے اس قدر گرمی میرے جیسے ضعیف
اور ناقص الصحت کیلئے ...... ہے، لیکن چونکہ آپ جلسہ میں شمولیت کے واسطے مجبور کرتے
ہیں۔ تو میں مشقت اٹھا کر جلسہ میں انشاء اللہ تعالیٰ شامل ہو جاؤں گا۔ لیکن جو شخص کہ ہفتہ کی صبح
یہاں میرے پاس آئے گا، اس کو چاہئے کہ صبح سویرے سے یہاں ہمارے پاس پہنچ جاوے تاکہ گرمی سے
قبل اکوڑہ پہنچ جاویں۔ انشاء اللہ۔ (۱۸ر جون ۱۹۵۲ء)

★

محترم المقام مکرمی جناب مولانا مولوی عبدالحق صاحب بسلامت باشید۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، معروض ہو کہ یہاں خیریت ہے اور خیریت آپ کی
خداوندکریم سے مطلوب ہے۔ برخوردار فخر الدین کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ نے برخوردار ابراہیم[1] کے
ساتھ بہت اچھا سلوک اور بڑا احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دیوے اور دین و دنیا
میں ترقی دیوے۔ خدا آپ کے مدرسہ کو ترقی دیوے اور قائم و دائم رکھے اور اللہ تعالیٰ آپ کو
صحت کاملہ عطا فرماوے اور اچھے کام کی توفیق دے۔ برخورداران رکن الدین[2] و فخر الدین[3] کی
طرف سے السلام علیکم معروض ہو۔ والسلام۔ (اپریل - ۱۹۵۵ء)

★

جناب مستطاب مولانا صاحب مہتمم دار العلوم حقانیہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، - آپ کا نوازش نامہ ملا۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ اتوار کے دن آپکی
خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اور آپ کے ساتھ دنیا اور آخرت میں امداد کرے
اور دارین کی خیر و عافیت نصیب فرماوے۔ والسلام۔ (مارچ - ۱۹۵۷ء)

★

---

[1] مولانا محمد ابراہیم صاحب، حضرت مرحوم کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ اُس وقت دار العلوم حقانیہ میں زیر تعلیم تھے۔ اور یہ صاحب مکتوبات رح کی دار العلوم سے خاص محبت کی علامت تھی۔ اس وقت گھر پہ مقیم ہیں۔

[2] حضرت رح کے بڑے صاحبزادے ہیں اور اپنے گھر غورغشتی میں مقیم ہیں۔ [3] منجھلے صاحبزادے جو اس وقت انگلینڈ میں امامت و خطابت کی دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مکرمی جناب حضرت مولانا عبدالحق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ معروض ہو کہ نوازش نامہ آپ کا پہنچا۔ کیفیت مندرجہ سے آگاہی ہوئی۔ میرے آنے کی وہاں ضرورت نہیں میں نہ واعظ نہ مقرر ہوں اور نہ خوش الحان ہوں۔ لیکن جب آپ فرماتے ہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی فرمائش کے مطابق تاریخ مقررہ پر حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ از جانب برخورداران رکن الدین و فخرالدین و ابراہیم السلام علیکم معروض ہو۔ (۱۹۵۸ء)

★

(بعد از تمہیدی کلمات) جب آپ کا اوّل خط مجھے ملا تھا۔ تو میرا ارادہ یہ تھا کہ میں آپ کی خدمت میں جلسہ کی تاریخ میں حاضر ہوں گا۔ لیکن جواب میں نے نہیں لکھا تھا۔ کیونکہ آپ نے اس خط میں جواب کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ اب چونکہ دوسرا خط آپ کا فخرالدین کے نام پر آیا ہے اور اس میں آپ نے جواب طلب کیا ہے تو اس واسطے میں یہ خط آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں میں انشاء اللہ تعالیٰ تاریخ موعود پر جلسہ کے واسطے حاضر خدمت ہوں گا۔ برخورداران کی طرف سے السلام علیکم معروض ہو۔ (۱۰ رجب ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۱/۲/۵۷)

★

(بعد از تمہیدی کلمات) آپ نے جس کام کی فرمائش کی ہے مجھے اس سے معذور سمجھیں اور خفگی نہ فرمادیں میں بسبب کبر سن و ضعف بدن و کثرت عیال و دیگر موانع و عوارضات کی وجہ سے معذور ہوں[1]۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مدرسہ کو قائم و باقی رکھے اور اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ اور ہمارے ساتھ دنیا و آخرت میں امداد کرے۔ اور اتباع شریعت کے وقت موت تک ثابت رکھے والسلام ———

★

(بعد از تمہیدی کلمات) میں بشرط صحت اور بغیر کسی دوسرے عذر کے انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے جلسہ میں شرکت کروں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مدرسہ کو بقاء و ترقی نصیب کرے اور آپ کو جملہ اراکین مدرسہ کو دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما دے اور ہم کو اور آپ کو مرتے وقت تک دین اسلام پر ثابت رکھے۔

★★

---

[1] معلوم نہیں کس امر کی طرف اشارہ ہے، شاید حضرت تک بہت سے خدام دارالعلوم کی یہ خواہش پہنچی ہو کہ دارالعلوم کے دارالحدیث کو زینت تدریس سے نوازا جائے۔

۷۱۴ ، ۷۸۶ھ

مصنف : امیر سیّد علی ہمدانیؒ

مترجم : ڈاکٹر محمد ریاض

رسالہ قدوسیّہ یا عقبات
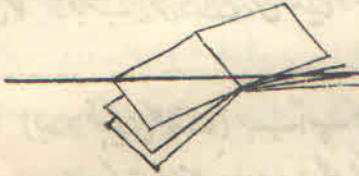
حضرت امیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (شاہ ہمدان ، حواری کشمیر ، امیر کبیر اور علی ثانی) آپ کے معروف القاب ہیں ، کے رسالہ "عقبات" کا نام "قدوسیہ" بھی ہے ۔ یہ رسالہ کشمیر کے نامور بادشاہ قطب الدین شاہ میریؒ (۷۷۵ - ۷۹۶ھ) کی نصیحت کی خاطر لکھا گیا ہے ۔ ہمارے پیش نظر اس کا مطبوعہ (تذکرہ گنجی تہران ۱۳۲۷ شمسی صفحہ ۱۷ تا ۷۸ تہران یونیورسٹی) ایک عکسی ہے ، کتب خانہ مرکزی نمبر ۱۲۴۱ جو کتب خانہ سلیمانیہ استنبول کے ایک مخطوطے کا عکس ہے ، جس کے عکس بردار پروفیسر مجتبیٰ مینوی ہیں ۔ نیز ایک قلمی نسخے (شمارہ ۴۲۵۰ کتب خانہ ملی ملک تہران) کا متن ہے ۔ ان تینوں نسخوں میں کسی قدر اختلاف ہے جس کی یہاں نشاندہی کی ضرورت نہیں ہے ۔ ہاں اگر انشاءاللہ اصل کی طباعت کی نوبت آئے تو پھر مقائسہ عرض کریں گے ۔

"عقبات" کا ایک مخطوطہ تاجیکستان سویت روس میں بھی موجود ہے ۔ شمارہ ۴۸۳ کے مطابق جلد چہارم فہرس مخطوطات تاشقند اکیڈمی ــــ محترم حافظ عبید اللہ فاروقی صاحب نے کسی نامکمل مخطوطے کی مدد سے اس کا جزوی ترجمہ "مصباح العرفان" کے نام سے ماہنامہ "الرحیم" حیدر آباد پاکستان کے ۱۹۶۷ء کے ایک شمارے میں چھپوایا تھا جس کو میں نے تہران میں پڑھا تھا ۔ مگر عجیب اتفاق ہے کہ ان دنوں یہاں وہ رسالہ مل نہ سکا ۔ رسالے کے مطالب اس کے مقتضی نظر آئے کہ راقم الحروف اسے دوبارہ تماماً ترجمہ کر دے مطلق العنان بادشاہوں کو علماء حق کھری کھری سناتے رہے اور ایسے بزرگوں میں ایک شاہ ہمدان بھی ہیں ــــ اب اصل کتاب شروع ہوتی ہے ــــ

جب تک کارخانہ قضا و قدر کے نقاش راہ سعادت کے عازمین کے الواح پر خمخانۂ تقدیر کے زیر ہدایت اقبال و ادبار کے نقوش ثبت کرتے ہیں اور مشیت ایزدی کے حاجب و مؤکل خوش بختوں یا بدبختوں کے بارے میں ہدایت و گمراہی کی کیفیات لکھتے رہیں الطاف ربانی کے نفحات کی برکتیں راہ سلوک کے سالکوں پر نثار اور مزاج کے بیابان میں بھٹکنے والوں کی خاطر ہادی و رہبر بنے رہیں۔

سلطانِ عزیز! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (ترجمۂ آیت) کیا آپؐ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا، جن کے قد و قامت ستونوں جیسے دراز تھے جن کے برابر کا کوئی شخص شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ قوم ثمود کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ میں پتھروں کی تراش خراش کرتے تھے۔؟ اور میخوں والے فرعون کا کیا حشر ہوا۔؟ ان لوگوں نے شہروں میں بغاوت و نافرمانی پھیلا رکھی تھی۔ ان میں بہت زیادہ فساد پھیلا رکھا تھا۔ پس آپ کے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بیشک آپ کا پروردگار گھات میں ہے۔[۱] "جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا خیال نہیں ہے اور دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں۔ اور اسی پر جی لگا بیٹھے ہیں۔ اور جو لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں ان کے اعمال کی بنا پر ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔"[۲]

"جو شخص صرف دنیوی زندگی کا طالب ہے اور اس کی رونقوں پر فریفتہ ہے۔ ہم ایسے لوگوں کو یہ چیزیں پوری پوری دے دیتے ہیں اور ان کی خاطر کوئی کمی نہیں کی جاتی ایسے لوگوں کی خاطر آخرت میں آگ ہے۔ انہوں نے جو کمایا تھا بے کار ثابت ہوا۔"[۳]

"کہہ دیجئے کیا میں آپ کو ایسے افراد کی خبر دوں جن کے اعمال خسارے میں ہیں وہ ہیں جن کی دنیاداری کی کمائی برباد ہو رہی ہے مگر وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔"[۴] "مومنو! تمہارے اموال اور اولاد تمہیں خدا کی یاد سے غافل نہ کریں جن لوگوں نے ایسا کیا وہ خسارے میں رہیں گے۔"[۵] "زمانہ کی قسم انسان گھاٹے میں ہے۔ بجز ان لوگوں کے جو اعمال صالحہ انجام دیتے ہیں۔ حق بات کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔"[۶]

"مومنو! اگر تمہارے آباء و اجداد اور بھائی ایمان پر کفر کو ترجیح دیں تو ان کی رفاقت نہ کرو جو کوئی اس روش سے منہ موڑیں گے، وہ سرکش ہوں گے۔"[۷]

---

[۱] الفجر ۸۹ آیت ۶-۱۴ [۲] یونس ۱۰-۱۶ [۳] ھود ۱۷-۱۸ [۴] کہف ۱۰۳-۱۰۴
[۵] المنافقون ۹ [۶] والعصر [۷] التوبہ ۲۳۔

مندرجہ بالا آیات ربانی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعنوائے قرآن مجید : "ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ اور یوم قیامت پر ایمان لانے کا ادعا تو کرتے ہیں مگر وہ مومن نہیں ہوتے"[۸] عزیزم تم کو بوقت نماز اس فرض کو جوں توں ادا کر دیتے ہو، رمضان شریف کے روزے بھی رکھ دیتے ہو اور ہر روز "ما تیسّر من القرآن"[۹] بھی تلاوت کرتے ہو، لیکن اس بات میں احتمال ہے کہ تم "روحِ ایمان" کو بھی سمجھتے ہو گے۔ بات یہ ہے کہ جو دل گناہوں کی خباثتوں سے داغدار ہو جائے، توبۃ النصوح کے بغیر اس پر انوار ازلی تجلّی ریز نہیں ہو سکتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ "اس کتاب کو سوائے پاکبازوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگانے پاتا۔" نیز یہ کہ "اس کتاب میں اس شخص کی خاطر یاد دہانی موجود ہے جس کا دل ہو۔" جب تک کوئی آئینۂ قلب سے بہرمند نہ ہو، اسرارِ قرآنی اس کی نگاہوں سے محجوب و مستور رہیں گے۔

میرے عزیز! خدا تعالیٰ سے ایسی چشم بصیرت کی طلب کر جس کی مدد سے تو قرآن مجید کے معنوی حسن کو دیکھ سکے۔ یہ کام بہرے، گونگے اور اندھے نہیں کر سکتے، ایسے صاحبانِ بصیرت ہی کر سکتے ہیں جو توفیقِ الٰہی سے مستفید ہوں۔ عزیزم! جاہل آباد اجداد اور فاجر اساتذہ کی تقلید سے غفلت اور حرمان ہی ملے گی۔ میں اس مختصر رسالے کے ذریعے آپ کو چند ضروری نصیحتیں پیش کروں گا۔ اسے میں حق صحبت کے طور پر فرض سمجھتا ہوں۔ نصیبِ تو باد۔ میرا مقصد یہ ہے کہ تو اعمال پر وقت سے نگاہ ڈالے اور اپنے فرائض کو ممکنہ دیانت داری سے انجام دے۔

عزیزم! سارے اعمال کا سرچشمہ "ایمان" ہے۔ عبادتوں کی عمارت اسی بنیاد پر تعمیر ہوتی ہے۔ تم صاحبِ ایمان ہونے کے مدعی ہو مگر اس دعوے کا عملی ثبوت بہت ضروری ہے۔ ایمان کے حقائق اس جوانمرد کے ہاں دیکھے جا سکتے ہیں جس نے "وادی مقدس" میں باریابی کی خاطر معنوی طور پر دنیا و عقبیٰ سے "خلع نعلین" کر رکھا ہو۔ ایسا شخص دنیا کو برتتا ہے تو بھی سنگ و زر کو برابر جانتا ہے۔ ایسا شخص ماسوا اللہ سے نظر اٹھا لیتا اور کاشفِ اسرار بنتا ہے۔ ایسے مومن کے بارے میں حدیثِ قدسی میں ارشاد ہوا ہے: (حدیثِ رسولؐ کا ترجمہ) وہ عرشِ الٰہی کو دیکھتا، اہلِ جنت کی زیارت کر کے ان میں شامل ہونے کی دعا کرتا اور اہلِ دوزخ پر نظر ڈال کر ان سے پناہ مانگتا ہے۔" ایسے اشخاص ہی عالمِ عقبیٰ کے "عقبات" میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

---

[۸] البقرہ ۸ [۹] المزمل ۲۰

ایڈیٹر کے قلم سے

تعارفِ کتب

افسوس کہ پچھلے کئی ماہ سے بوجوہ تبصرہ کتب کا عنوان قائم نہ رہ سکا۔ اس وقت چونکہ کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے اور مفصل تنقید یا تبصرہ ممکن نہیں اس لئے محض اجمالی تعارف پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ کسی کتاب کے تمام مندرجات سے ایڈیٹر کا اتفاق ضروری نہیں۔

٭

بیس بڑے مسلمان | مرتبہ مولانا عبدالرشید ارشد ـــ ناشر مکتبۂ رشیدیہ ۱۷/۳۲ شاہ عالم مارکیٹ لاہور
صفحات ۴۰۹ قیمت مجلد پچیس روپیہ کتابت طباعت کاغذ اعلیٰ اور دیدہ زیب۔

برّصغیر کے ایسے بیس جلیل القدر حضرات کی سوانح، علوم، افکار اور خدمات کا تذکرہ جن کی زندگی علم، عمل، جہاد و ستیز، تبلیغ و دعوت، اصلاح و تصوّف، تدریس و تصنیف ہر لحاظ سے مثالی تھی، اور جو اولٰئک الّذین ھدا ھم اللہ فبھدا ھم اقتدہ۔ کا نمونہ تھے اور اب بھی جن کی حیاتِ طیّبہ کے مختلف ادوار بھٹکے ہوئے انسانوں کو شمع ہدایت کا کام دے سکیں۔ ہندوستان کا وہ قافلۂ دعوت و عزیمت جسے علماءِ دیوبند کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے اس قافلہ کے صفِ اوّل کے بزرگوں کے تذکار کا ایک حسین و جمیل مرقع ـ ہر بزرگ پر نہایت تحقیقی مقالہ ـ نمایاں اربابِ علم و فضل کے قلم سے۔ مرتب اور ناشر نے اسے جمع فرماکر پوری جماعت سے فرضِ کفایہ ادا کر دیا ہے۔ اور اس عظیم الشان کام پر وہ ہر طرح تحسین و تبریک کے مستحق ہیں ایسے کئی اکابر و ائمہ رشد و ہدایت باقی ہیں جن پر کئی اور جلدیں بھی جمع کی جاسکتی ہیں۔ پیشِ نظر کتاب میں جن حضرات کا ذکرِ جمیل ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا انور شاہ، مولانا عبید اللہ سندھی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد الیاس دہلوی، مولانا شاہ عبد القادر رائپوری، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی، سردار احمد خاں پتافی رحمھم اللہ وارضاھم ـ عملی و ملی خدمات میں شہرت کے لحاظ سے مؤخر الذکر بزرگ کا تذکرہ صفِ دوئم کے بزرگوں کے ساتھ آنا چاہئے تھا۔ والعلم عند اللہ۔

حکیم الامۃ صہ ۳۰۸ اور مجدد الملت کے آثار علمیہ صہ ۳۲۹ کے نام سے مقالات جس مضمون نگار سے منسوب ہیں وہ دراصل دو مشاہیر اہل قلم کے مضامین ہیں۔ اس علمی سرقہ کی ذمہ داری مضمون کا اپنی طرف انتساب کرنے والے پر ہے۔ ناشر کی لاعلمی میں اگر ایسا ہوا تو وہ بری الذمہ ہیں۔ کتاب کیا ہے ائمہ ہدایت کا ذکر جمیل، معلومات کا گنجینہ، ہر مسلمان کیلئے اس کا مطالعہ مفید ہے۔ مگر خانوادۂ قاسمیؒ سے نسبت رکھنے والوں کیلئے تو اسے حرز جان بنانا چاہئے۔ مکتبہ رشیدیہ نے اپنی مطبوعات سے اپنا ایک معیار قائم کر لیا ہے۔ اللھم زد دفزد۔

عصمت انبیاءؑ اور حرمت صحابہؓ | مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہٗ ناشر مکتبہ حکمت اسلامیہ نوشہرہ قیمت قسم اوّل ۵۰ پیسے قسم دوئم ۳۰ پیسے ــــ عصمت انبیاءؑ اور تعدیل صحابہؓ پر مختصر مگر نہایت عالمانہ اور حکیمانہ مقالہ سنجیدہ انداز میں مودودی صاحب کے غلط نظریات کا محاسبہ۔ اصل مقالہ پہلے بینات میں شائع ہوا تھا۔

شان صحابہؓ | قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب۔ دار الارشاد کیمبل پور صفحات ۷۰، قیمت ایک روپیہ۔ قرآن عزیز کی روشنی میں صحابہ کرام کی فضیلت اور ان کے معیار ہدایت ہونے پر سیر حاصل بحث

تاریخ حرمین | مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی۔ بیت الحمد ٹنڈو اللہ یار سندھ صفحات ۱۴۳، کاغذ اخباری قیمت ۲/۵۰ حضرت آدم سے لیکر اب تک کعبۃ اللہ کے تعمیری ادوار اور حرمین کی تعمیر و تاسیس کی تاریخ مختصر مگر جامع انداز میں ایک صاحب علم وفضل بزرگ کے قلم سے تقریباً پچاس عنوانات کے تحت معلومات آفرین مواد۔ زائرین حرمین کے لئے اس کا مطالعہ خاص طور سے مفید رہے گا

جہاد | از بریگیڈیر گلزار احمد صاحب۔ مکتبۃ المختار ۴۔ الف، گلستان کالونی راولپنڈی صفحات ۳۶۰ قیمت ۱۲/۵۰ مصنف خود مجاہد اور صاحب سیف و سنان ہیں اور علم و قلم کے میدان میں بھی اعلیٰ نقوش چھوڑتے جا رہے ہیں۔ اس کتاب کے ذریعہ ۔ وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ ۔ کی ایک حسین تصویر پیش فرمائی ہے۔ جہاد کی حقیقت، اہمیت، شرائط اور قوانین کے علاوہ جہاد اور عالم اسلامی کے عنوان پر بھی بحث کی گئی ہے۔

شرح قصیدہ بردہ | مقدمہ، ترجمہ اور شرح از جناب علی محسن صدیقی استاد تاریخ اسلام کراچی یونیورسٹی ناشر مکتبہ اسحاقیہ پھول چوک، جونا مارکیٹ کراچی ۲۔ قیمت مجلد ۳/۷۵ روپے۔ امام محمد بن سعید بوصیریؒ کے شہرہ آفاق عربی قصیدہ مدحیہ کے بیشمار شروح اور حواشی کئی زبانوں میں لکھے گئے ہیں۔ پیش نظر شرح

نے اردو دان حضرات کیلئے اس قصیدہ کا سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ اہلِ علم کے بھی فائدہ کی چیز ہے۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب۔

سیدہ ام کلثوم | از ابو یزید محمد دین بٹ، ناشر جمعیۃ محبین صحابہ چوک شہید گنج لاہور۔ صفحات ۸۰، قیمت ۷۵ پیسے۔ نبی کریم کی صاحبزادی سیدتنا ام کلثومؓ کے بارہ میں ایک تحقیقی کتاب۔ محنت اور کاوش قابلِ تحسین، کتاب کے آخر میں مودودی صاحب کے نام کھلا خط بھی ہے۔ جنہوں نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں شیعوں کا سا کردار ادا کرکے موجودہ دور کے بہت سے اصحاب علم و تحقیق کی قیمتی صلاحیتوں کو مشاجرات صحابہ جیسے نازک اور غیر ضروری موضوع میں الجھا دیا ہے جس سے کفِ لسان و قلم تبصرہ نگار کا دل تبصرہ و تنقید کی حد تک بھی اس موضوع میں پڑھنے سے ڈوبنے لگتا ہے مگر دفاع شانِ صحابہؓ کی کوششیں بہرحال محمود و ماجور ہیں ——۔

مختصر سیرت نبویہؐ | از علامہ عبدالشکور لکھنویؒ ناشر مکتبۂ اصلاح و تبلیغ ہیرآباد جامع مسجد روڈ حیدرآباد سندھ۔ صفحات ۶۴۔ قیمت ۷۵/۱۔ ایک ممتاز اور مسلّم علمی و دینی شخصیت مولانا لکھنویؒ کے قلم سے مختصر سیرتِ طیبہ۔ اختصار کے باوجود نہایت مفید اور کارآمد کتاب جو کئی مرتبہ چھپ کر نایاب ہو چکی ہے۔

اسلامی نظامِ حکومت کے ضروری اجزاء | از مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفیؒ گوجرانوالہ۔ ناشر مکتبۃ الاعتصام شیش محل روڈ لاہور۔ صفحات ۳۲۔ قیمت ۲۵ پیسے۔ موضوع پر ایک پُر مغز علمی مقالہ۔

مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق | از جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدیر میثاق لاہور۔ ناشر دار الاشاعۃ الاسلامیہ لاہور۔ صفحات ۷۱، قیمت ایک روپیہ۔ ڈاکٹر صاحب، صاحب فکر و نظر اصحابِ علم میں سے ہیں بقول ڈاکٹر صاحب ہر مسلمان پر حسبِ صلاحیت قرآن مجید کے حسب ذیل حقوق عائد ہوتے ہیں۔ ۱۔ ایمان و تعلیم ۲۔ تلاوت و ترتیل، تذکّر و تدبّر، حکم و اقامت، تبلیغ و تبیین۔ کتاب میں ان حقوق کی تشریح ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ موجودہ عالمِ اسلام کی مشکلات کی بنیادی وجہ ان حقوق سے غفلت اور اعراض ہی ہے۔

قرآن اور امنِ عالم | ڈاکٹر صاحب موصوف کا رسالہ ہے۔ اور اس موضوع پر تین پہلوؤں سے گفتگو کی گئی ہے۔ ۱۔ انفرادی امن۔ ۲۔ سیاسی و معاشرتی امن و سلامتی، ۳۔ امنِ عالم۔ قیمت ۵۰ پیسے ملنے کا پتہ سابقہ۔ شر و فساد سے بھری ہوئی دنیا کیلئے یہ رسالہ امن قرآنی کا مؤثر پیغام ہے۔

قرآن اور پردہ | مولانا امین احسن اصلاحی ۔ ناشر ادارۂ مذکورہ ۔ قیمت ۶۰ پیسے ۔ صفحات ۳۴ ۔
بے پردگی موجودہ دور کی سب سے بڑی لعنت اور فساد کی جڑ ہے ۔ قرآن نے اس خرابی کا علاج کیا، مؤلف کتاب نے جو قرآنیات پر گہری بصیرت رکھتے ہیں، اس مختصر رسالہ میں موضوع کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے ۔

حکمت اسلامیہ | از جناب مولانا عبد القدیر صدیقی قادری شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ۔ صفحات ۱۲۰ ۔ قیمت ۵۰/۲ روپے ۔ ملنے کا پتہ : ۱ سے ۷۵ ۔ ۱۰ شاہ لطیف حیدر آباد (سندھ)
تصوّف و سلوک کے علاوہ کلام و فلسفہ کے باریک اور فنّی اصطلاحات کی تشریح آپ اسے تصوّف کی کتاب سمجھیں یا کلام و فلسفہ کی ۔

مرنے کے بعد کیا ہوگا ؟ | مرتبہ مولانا عاشق الٰہی مدرس دار العلوم کراچی صفحات (۴۸۰) کتابت و طباعت آفسٹ قیمت مجلد چھ روپے ۔ ملنے کا پتہ : خواجہ محمد اسلام کھڈیاں خاص ضلع لاہور ۔ یا پھر ادارہ اشاعت دینیات چوک رنگ محل لاہور ــــ عالم برزخ اور اس کے بعد کی دنیا ۔ روز قیامت جہنم، اور جنّت کے حالات پر نہایت مؤثر کتاب قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں عبرت و تذکیر کیلئے بے حد مفید ہے ۔

اسلامی زندگی | مرتبہ حاجی امیر الدین صاحب صفحات ۲۴۸ قیمت غیر مجلد تین روپے ــ ملنے کا پتہ : جامعہ ربانیہ ملتان ۔ کتابت و طباعت نہایت عمدہ ۔ کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے متعلق ضروری مسائل مخصوص اوقات کی دعائیں اور چالیس احادیث سلیس اور آسان زبان میں دینی مسائل سے واقفیت کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے ۔

فتوٰی تکفیر قادیان | قادیانی جماعت کی کفریات پر علماء اسلام کے یہ فتاوٰی پچاس سال قبل ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوئے تھے، اور اب اسے مولانا سعید الرحمان انوری نے اپنی مجلس دینی مین بازار سنت پورہ لائل پور سے دوبارہ شائع کیا ہے ۔ صرف دس پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیا جا سکتا ہے ۔

اگلے شمارہ میں حکیم الاسلام علامہ قاری محمد طیّب قاسمی مہتمم دار العلوم دیوبند کی ایک نہایت حکیمانہ اور فاضلانہ تقریر (انسانی زندگی کے مختلف ادوار اور کامیاب و بامراد زندگی) جسے ادارہ الحق نے من عن ضبط کیا ہے ۔ ملاحظہ فرمایئے اور مادیت و حیوانیت کے اس طوفانی دور میں حیات طیبہ کے حدود خال سے آگاہ ہوں ــــ (ادارہ)
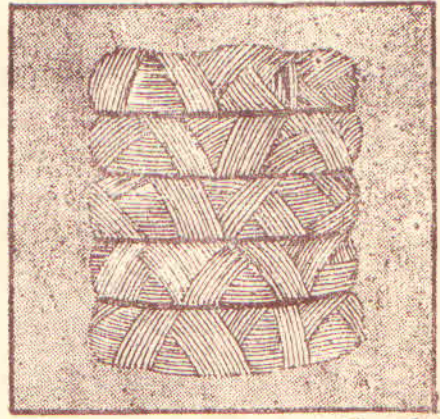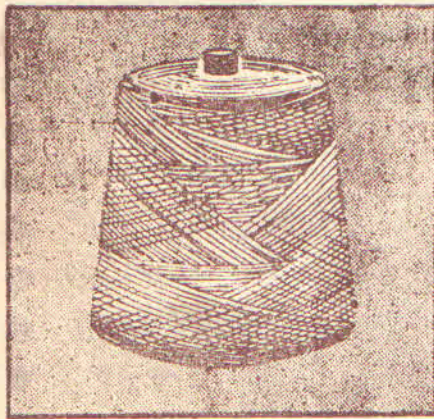
تعارف
ماہنامہ الحق کتاب وسنت کا ترجمان اور دارالعلوم حقانیہ کا علمی آرگن ہے جسکو
حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی سرپرستی کا فخر اور سعادت حاصل ہے۔
الحق کو ملت کے ہر طبقہ کے عوام وخواص کا تعاون حاصل ہے۔
الحق علماء تجار صنعت کار سیاستدان اور جدید تعلیم یافتہ حضرات میں یکساں مقبول ہے
الحق کے مضامین دینی واصلاحی نقطۂ نظر کے حامل ہوتے ہیں۔
الحق وقتی جریدہ نہیں اسکی رہنمائی اور افادیت حال ومستقبل میں ہمیشہ محسوس ہوگی۔
الحق سفید کاغذ اور معیاری کتابت وطباعت اور دو رنگ آرٹ پیپر کے حسین
ٹائیٹل کیساتھ انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے۔
الحق آپ کا اپنا پرچہ ہے اسکی توسیع اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیجئے
آپکا معمولی ایثار الحق کی ظاہری ومعنوی خوبیوں کیساتھ دین کی اشاعت میں اضافہ
کا باعث ہوگا۔
الحق میں اشتہار دینا ہم خرما وہم ثواب کا مصداق ہوگا۔ نیز اس سے
آپکی تجارت فروغ پائے گی اور ہم اس قابل ہوسکیں گے کہ اسکو بہتر انداز میں زیادہ
سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچا سکیں۔
ایک فکر ایک تحریک ایک جہاد
الحق کے ہر شمارے میں
معلومات اور اصلاحی مضامین
تحقیقی مقالے
عالم اسلام کے حالات
فقہی، علمی، دینی، ادبی مضامین
دلچسپ معلومات
دینی سوالات کے جوابات
پُر مغز اداریے
معیاری ادبیات
باطل کا تعاقب
سنجیدہ تنقیدیں
ملاحظہ فرمایئے۔
نرخنامہ
اشتہارات
ماہنامہ
الحق
اکوڑہ خٹک پشاور (مغربی پاکستان)
الحق میں تصویر یا غیر شرعی کاروبار والا اشتہار شائع نہیں ہوگا
سائز ۲۶ × ۲۰ / ۸ ۴۸ صفحات
ٹائیٹل نمبر۴ ۴۰۰/- روپے فی اشاعت
ٹائیٹل نمبر ۲، ۳ ۲۰۰/-
اندرونی عام صفحات ۱۲۵/-
نصف صفحہ ۱۰۰/-
چوتھائی صفحہ ۵۰/-
صفحہ کا طباعتی سائز
نوٹ
کم از کم چھ ماہ مسلسل بکنگ پر ۱۰٪
سال بھر کی بکنگ پر ۱۵٪ رعایت
پیش کی جائے گی